سلسلۂ منتخبات نظمِ اردو

مناظرِ قدرت

مرتّبہ



محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال۔ ال بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)

معلّمِ معاشیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلدِ اوّل

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبعِ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء طبع ہوئی

بارِ دوم]　　　(جملہ حقوق محفوظ)　　　[۵۰۰ جلد

تمہید

اردو شاعری کی بھی عجب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزم سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دھن میں مست تھے شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ واہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق

وعادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جرأتؔ، انشاؔ، مرزا شوقؔ اور میاں نظیرؔ کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں اِن واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جُھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذّب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں۔ جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی

شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے، ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب

کلام بھی شائع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جاویں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کی بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ ہے حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں اسی طرح جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی

یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی۔ کہیں خدانخواستہ جد وجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑجائیں اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اُس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر منہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت وگنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخباتِ نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے

اِس کے تین جُداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملّت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا   میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات و واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بُو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ

پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے خدا جانے انھی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسے کیسے انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقار شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہونگی پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باایں ہمہ ان کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسب صلاحیت ان کو از سر نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب

ہوگا، ہر حصّہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی امید ہی کہ اس طرح اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح و جلا ہوتی ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی، اس سلسلہ کی جلدوں کو اپنی قابلانہ رایوں سے مزین فرمایا اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف اِن کا بھی بدل ممنونِ احسان ہی۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کردے گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ جولائی ۱۹۱۹ء

الیاس برنی

تمہیدِ دوم

خدا کا شکر ہے کہ ملک میں اس سلسلہ کی اُمید سے بڑھکر قدر ہوئی معزز اخبارات اور ممتاز ادیبوں نے گرمجوشی سے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اور بالاتفاق اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا بلکہ اصرار کیا۔ اس کے شائع ہوتے ہی بلا مبالغہ فرمائشوں کا تار بندھ گیا۔ اکثر صوبوں کے مدارس میں نصاب۔ انعام اور کتب خانوں کے واسطے اس سلسلہ کی کتابیں منتخب اور منظور ہو گئیں۔ غرض ہر طریق سے اُردو خواں پبلک کی دلچسپی اور قدردانی سلسلہ کے متعلق روز افزوں نظر آتی ہے۔

اس ہمت افزائی نے قدرۃً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کر دی چنانچہ ۱۹۱۹ء میں پہلا اور ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن نکل آئے۔ اسی دوران میں اور مواد فراہم ہوتا رہا۔ اُمید ہے کہ چوتھا سٹ بھی سال آیندہ شائع ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

پہلے دو سٹوں میں انتخاب اور ترتیب کی مدد سے ہر جداگانہ نظم سے ایک مستقل مضمون نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ تیسرے سٹ میں جدت گری نے اور بھی زیادہ آزادی برتی ہی۔ یعنی ایک ہی نظم کے طور پر اسی شاعر کے متفرق اشعار اس طرح ترتیب دیئے ہیں کہ ان کے اجتماع سے نئے نئے لطیف مضامین مترشح ہونے لگے اور خود شاعر کے ارتقائے تخیل کے عجیب و غریب نقشے پیش نظر ہو گئے۔ انتخاب اور ترتیب کے فن میں اس جدت سے بہت کچھ کام بننے کی امید ہی اور یقین ہے کہ یہ طریق بہت مقبول ہو گا۔ بطور تمثیل جذبات فطرت جلد سوم میں بعض نظمیں بالخصوص ع۱ میر تقی میر ع۲ کلام میر ع۱۳ حکایت الفت۔ ع۴۱ نگاہ الفت ع۴۲ آرزوئے الفت ع۴۴ خواب عاشق ع۴۶ بے زبانی ع۴۷ قاصد ع۴۸ کیفیت عشق ع۵۰ راز عشق ع۵۵ کوے یار ع۶۱ گل و بلبل قابل ملاحظہ ہیں۔

خدا کو منظور رہے تو یہ سلسلہ اردو شاعری کے موتی جواہر کا خزانہ شمار ہو گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جامعۂ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن

الیاس برنی

اکتوبر ۱۹۲۱ء

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

فہرستِ مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہی اور اُس کے تحت
میں مضامین متجانسہ درج ہیں:-

فہرست مضامین جلد اوّل

فہرست مضامین جلد اوّل

فہرست مضامین جلد اوّل

فہرست مضامین جلد اوّل

جلدِ اوّل
ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — درّاج کبک تیتر وطاوس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو اس کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

انیس

۲- نمودِ صُبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صُبح ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صُبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صُبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صُبح

پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں چنتے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں

دِکھلائے طَور بادِ سحر نے سموم کے
پژمُردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ نور کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سُرور

انساں زمیں پہ محو ملک آسماں پہ
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زباں پہ

وہ سُرخیِ شفق کی ادھر چرخ پر بہار وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار

جلد اوّل شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

انیس

۳- عبادتِ صبح

کیفیتِ وحی میں ہی بُلبُل ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گُل
سبزہ ہی کنارِ آبجو پر یا خضر ہی مستعد وضو پر
نوبت ہی صدائے قمریاں کی تیاری ہی باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہی قد قامتِ سروِ دلربا ہی
اِک شاخ رُکوع میں رُکی ہی اور دوسری سجدے میں جھکی ہی
سوسن کی زبان پر مناجات جاری لبِ جو سے التحیات
پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں اور صلِّ علیٰ کا غُل چمن میں
غنچے میں ہی خامشی کا عالم یا صوم سکوت میں ہی مریم
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہی اور آبِ رواں طواف میں ہی

سالک ہی چمن میں نہرِ موزوں
مجذوب ہی شاخِ بیدِ مجنوں

ہی صُوفیِ صاف دل صنوبر
تحریکِ نسیم حالت آور

سجّادہ بدوش لالۂ یکسو
یکسو شب زندہ دار شبّو

ہی مستغراق نیلوفر کو
پاسِ انفاس ہی سحر کو

ہر شمع خموش فکر میں ہی
ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہی

وحدت ہی چمن میں مغز تابوت
صادق ہی بہار پر ہمہ اوست

محسن کاکوروی

۴۔ نمازِ چمن

بہار آئی کھلے گُل زیبِ صحنِ بوستاں ہوکر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہوکر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہوکر

عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مُرغانِ چمن نے شادماں ہوکر

بلائیں شاخِ گُل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہوکر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغواں ہوکر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

اکبر الہ آبادی

۵- صبحِ چمن

وہ جلوہ گریِ مہرِ پُر نور
تاریکیِ شب ہو جس سے کافور

آغازِ سپیدۂ سحر کا
فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا

وہ رنگِ شفق افق سے پیدا
ہو تختۂ گل کا جس پہ دھوکا

وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی
وہ موجِ شمیم بھینی بھینی

ہر ایک نہالِ باغ گل پوش
پھرتی ہی ہوا چمن میں مدہوش

قدرت کی یہ ہی شگوفہ کاری
کرتے ہیں طیور حمد باری

ہر شاخِ چمن ہری بھری ہے
گویا کہ چمن نہیں پری ہے

بادِ سحری وہ عطر آگیں
سرگوشیِ غنچہ ہائے رنگیں

سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی   وہ خندۂ گل وہ رُت سہانی
نافہ ہے ختن کا ہر شگوفہ   ہے مُشک فشاں ہر ایک بوٹا
شبنم سے بھرا ہے لالۂ تر   لبریز ہے یا کہ جامِ احمر
وہ آہوئے دشت محوِ جولاں   وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں
ہر سمت طیور ہیں ثنا خواں
اشجار ہیں حمدِ حق میں جنباں

ذاکر

۶۔ نسیمِ سحر

ہونے کو صبح آئی تو ٹھنڈی ہوا چلی   کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
لہرا دیا ہے کھیت کو ہلتی ہیں بالیاں   پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں
پھلواریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اسے تو جگا چلی

اسمٰعیل

۷۔ لطفِ سحر

وہ دن کے لئے سرور کا وقت — وہ لطفِ سحر وہ نور کا وقت
آہستہ نسیم کا وہ چلنا — سورج کا وہ آڑ سے نکلنا
شفاف وہ آبجوِ چمن کی — بھینی بھینی وہ بُو چمن کی
مُنھ پھولوں کے دھو گئی ہے شبنم — سبزے کو بھگو گئی ہے شبنم
نوکوں پہ جو قطرے تھم گئے ہیں — دانے موتی کے جم گئے ہیں
کلیوں سے لکیر سی ہویدا — کچھ قصدِ تبسّم اُن سے پیدا

دل کو جو لُبھایا رنگ و بُو نے
اے حُسن کشش یہ دی ہے تو نے

شوق قدوائی

۸۔ صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کاروبار کے ساتھ آئی میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مُرغ دینے لگا ہے خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتی اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی

اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی میں سو سو طرح ڈے رہی ہوں دہائی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے نسیم صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سُرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے سو وہ نو لکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں کلولیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہیں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک

مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک — کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا — مؤذن کو مسجد کے میں نے اُٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا — اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے — کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے — دلدّر ہوئے دور آنے سے میرے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت — بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت — نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو — نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو — بس اب خیر سے اُٹھ کے منہ ہاتھ دھولو

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اسمٰعیل

۹۔ ترانۂ بیداری

جاگو جاگو پیارے جاگو میری آنکھ کے تارے جاگو
جاگو جاگیں چڑیاں کب کی بیت چکی ہیں گھڑیاں کب کی
شمع بجھا دی بادِ صبا نے کلی کھلا دی بادِ سحر نے
مسجد میں آوازِ اذاں ہے گوشۂ مشرق نور فشاں ہے
چھیڑی بھیرویں مُرغ سحر کی سُنتے ہو آواز گجر کی
شبنم موتی وار رہی ہے منہ پر چھینٹے مار رہی ہے
گونجتے ہیں زنبور کنول پر سورج کا ہے نور کنول پر
چمکا مہرِ عالم آرا بدلا اُجالے سے اندھیارا
آنکھیں کھولو آنکھیں کھولو
جاگو پیارے نہا لو دھو لو

فلکؔ

۱۰۔ ترانۂ بیداری

وقتِ سحر ہے سونے والو　　دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو　　لُطفِ سحر کو کھونے والو
جاگ اُٹھا ہے پتّہ پتّہ　　غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے　　نکہتِ تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو　　اُٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صَلِّ علیٰ یہ نُور کا عالم
ہر ذرّے پر طور کا عالم

تازہ نوا مُرغانِ چمن ہیں　　نغمے جن کے جانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں　　اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے　　حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری　　کرتی ہے سجدۂ خالقِ باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جُھکائے　　دستِ دُعا شاخوں نے اُٹھائے
محوِ یادِ خُدا ہے سبزہ　　سر بسجود پڑا ہے سبزہ

شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے
جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز دعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا وقت نہیں یہ خواب گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے جانبِ مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے یادِ خدا میں جن کو مزا ہے
محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیوں کہ یہ عالم دارِ فنا ہے اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو بھی مسافر اس دنیا میں جیسے رہرو اُترے سرا میں
وقتِ سحر گر رہرو سوئے غفلت میں گر وقت کو کھوئے
چلنے سے ہو گر وہ غافل کھوٹی کرے گا اپنی منزل
تجھکو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اُٹھ جاگ اُٹھ وقتِ سحر ہے

محروم

۱۱- بندرابن کی صبح

آثار عیاں ہوئے سحر کے ساماں ہونے لگے سفر کے
ہل چل میں ہی کاروانِ انجم مغرب کو چلا نشانِ انجم
وہ شب کا سیاہ شامیانہ اب لے کے قمر ہوا روانہ

تارے سب ایک ایک کرکے
آگے پیچھے چلے قمر کے

مشرق میں ہی نور ہلکا ہلکا ظلمت کا ظہور ہلکا ہلکا
صبح بن کر عروسِ تازہ آئی مل کر شفق کا غازہ
آئی اور کس ادا سے آئی شانوں پہ کاکلیں ملائی
چہرہ اس کا وہ عینِ خورشید بے پردہ عدوئ حسرتِ دید

ہر چیز کو پرتوِ سحر سے
قدرت نے رنگا ہی رنگ زر سے

جمنا ابھی خواب سے اُٹھی ہی پیدا بستر سے تازگی ہی
کرنیں جمنا سے کھیلتی ہیں ظلمت کو پرے ڈھکیلتی ہیں

ہے محوِ خرامِ ناز جمنا | عشاق کی دل نواز جمنا
ساحل پہ دوب۔ دوب پر اوس | مخمل تو ہی دوب اور گہر اوس
جمنا کا لباس مخملی ہے | اور موتیوں سے لدی گھڑی ہے
جنگل کے وہ پھول آہ خود رو | بھینی بھینی وہ اُن کی خوشبو
دھیمے دھیمے صبا کے جھونکے | انداز خرام وہ گلوں سے
طائر ہر سمت نغمہ زن ہیں | یہ مطرب محفل چمن ہیں
ہر چند ہے دل پذیر جمنا | کب دل کو مگر یہاں ہے تھمنا
جمنا سے نہیں ہے کام ہم کو | ہے ذوق لقائے شام ہم کو

مل جائے ہمیں کہیں کنھیا
آرام دلِ حزیں کنھیا

محروم

۱۲۔ طلوعِ آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا | مہر عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں | شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا

غالب

۱۴- خوشا وقتِ شام

خدا کی نظر آ رہی شان ہے سہانا سا اک سبز میدان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا تو ہے دیکھنے سے مزہ آ رہا
ہری گھاس وہ لہلہاتی ہوئی ہوا لوٹ کر لہر کھاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہے مل گیا تو ایک آدھ گل ہے کہیں کھل گیا
وہیں ایک پہلو میں تالاب ہے کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
یہ سبزی اسی کے سہارے پہ ہے درختوں کا جھرمٹ کنارے پہ ہے
لبِ آب جو ہیں شجر جھومتے وہ ہیں جھک کے پانی کا منہ چومتے

سماں آج کل ہی گا برسات کا
مزا دن کا ہی لطف ہی رات کا
درخت اِک جگہ ہیں جو چھائے ہوئے
ہوا دار بنگلے بنائے ہوئے
تو اِک چھوٹے لڑکے نے واں آن کر
جگہ خوب موقع کی پہچان کر
رکھا سامنے اپنے جزدان ہی
ورق پر لگائے ہوئے دھیان ہی
بہت لکھنے پڑھنے کا ہی ذوق اُسے
یہی ذوق اُسے ہی یہی شوق اسے
خدا جانے ہی ہاتھ میں کیا کتاب
کہ اس میں ہی ڈوبا جو ماہیِ آب
اور آتی ہی جوں جوں سیاہی شام
وہ شوقین لڑکا بذوقِ تمام
جھکا جاتا ہی اس طرح غور سے
کہ کاغذ میں کیڑا ہو جس طور سے
نظر اُس کی جب ترمرانے لگی
سیہ شام سُرمہ اُڑانے لگی
بہت بیٹھا بیٹھا جو تھا تھک گیا
اِک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اُٹھا
ملا کر بہم چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ
ملے چہرہ پر لطفِ محنت کے ساتھ

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
ٹہلنے لگا آ کے میدان میں

لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو مُنہ پر ہوا
حواس اُس کے آئے ٹھکانے ذرا
تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور
وہ اپنے مقاموں پہ سب آن کر

بہم مل کے آوازیں دینے لگے   بسیرے درختوں پہ لینے لگے
وہ مل جل کے آپس میں تھی بولتے   کہ اپنی خوش آوازیاں بولتے
درختوں پہ چڑیوں کی چوں چوں کہو   جو سمجھو تو پھر یاد ہیچول کہو
جو سبزی میں جھینگر تھے برسات کے   دیے چھیڑ اُنھوں نے بھی سُر رات کے
کئی غول طوطوں کے جھنکارتے   گئے سبز سبزا یسے پل مارتے
تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا   کہ میداں کا سبزہ ہوا ہو گیا
کیا خاتمہ دن کا جب شام نے   تو لی گھر کی رہ اس خوش انجام نے
اِدھر اور اُدھر کو نظر ڈالتا   چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
کہ کچھ گائیں بھینسیں ملی راہ میں   پھریں کھیت سے گھر کی تھیں چاہ میں
ٹپکتی خوشی صورتِ حال سے   عجب جا رہی تھیں لٹک چال سے
بھری دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے   کہ مشکیزے جیسے تھلکتے ہوئے
کئی ساتھ ساتھ ان کے گوسالے تھے   کہ ماؤں نے تھن کے تلے پالے تھے
اور ایک گلہ باں پیچھے آتا ہوا   تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
ملی راہ میں اُس کو کچھ بکریاں   اور اک بوک بکرا رواں درمیاں
وہ دُم نمائی تھیں یوں پھلی   کہ دن بھر تھیں چر چگ کے گھر کو چلی

پھلروا سے بچے اُچھلتے ہوئے تھے اٹکھیلیوں سے مچلتے ہوئے

محبت سے ممیاتا جاتا کوئی
بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی

وہ لڑکا جو پہنچا بنزدیک شہر نظر آئی یاں اور ہی لہر بہر
دُکانوں پہ روشن سراسر چراغ چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ
جو رونق کہ نیچے دُکانوں پہ ہے کچھ اس سے سوا بالا خانوں پہ ہے
دکھاتی جو ہیں روشنی دُور سے اڑی جاتی ہیں کھڑکیاں نور سے
تصاویر و نقشوں سے گلزار گھر طرحدار کمرے ہوادار گھر
کہیں مل کے بیٹھے ہیں کوٹھے پہ یار کہے شعر خوانی ہی کا ہے تار
غزل ریختے کی ہے گاتا کوئی ہے گاتا کوئی اور بجاتا کوئی

لطیفوں پہ اُڑتے ہیں جو قہقہے
کہاں یاد بلبل کو یہ چہچہے

غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا تماشے خدائی کے کرتا ہوا
گیا جب کہ گھر میں وہ روشن چراغ تو ماں باپ بھی ہوگئے باغ باغ
خوشی سے نہ جامے میں پھولے سمائے بہن بھائی بولے وہ آئے وہ آئے

سلام اُس نے پہلے کیا باپ کو جُھکایا بجنِ ادب آپ کو

دعا دی یہ اُس نے بھی لیکر سلام
مُبارک مُبارک خوشا وقت شام

آزاد

۱۴- شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار ہوا میں کھلا ہی عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ جنھیں دیکھکر عقل ہوتی ہی دنگ
نیا رنگ ہی اور نیا روپ ہی ہراک روپ میں یہ وہی دھوپ ہی
طبیعت ہی بادل کی رنگت پہ لوٹ سنہری لگائی ہی قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی بنفشی و نارنجی و چنپئی
یہ کیا بھید ہی کیا کرامات ہی ہراک رنگ میں اک نئی بات ہی
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہی باڑ بنے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اُس میں سُرخی کی لاگ ہرے بن میں گویا لگا دی ہی آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پرتے چھٹے لال بانات کے

اسمٰعیل

۱۵۔ شام کا جھٹ پٹا

جھٹ پٹا سا ہو گیا ہی شام کا — صاجو یہ وقت ہی آرام کا
قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا — ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا
دیکھنا سورج ہی چھپنے کے قریب — تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب
لو کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر — لیں گے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر
شام کو بستی سے باغوں کی طرف — اُڑ چلے کوّے بھی مل کر صف بصف
دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی — بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی
جانور دن بھر قلاچیں بھر چکے — اپنا اپنا کام پورا کر چکے
وہ جو کٹ کٹ کر رہی ہیں مرغیاں — ڈھونڈتی ہیں اپنے ڈربوں کا نشاں
بھیڑ بکری اونٹ گھوڑا گائے خر — آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر
اب ہوا کے تیز جھونکے رک گئے — سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے

اب کہاں باقی ہی موقع کام کا
صاجو یہ وقت ہی آرام کا

اسمٰعیل

۱۶- شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہی تو — عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہی تو
ہیں روز و شب زمانہ کے پیہم قدم ترے — پیمانے محنتوں کے ہیں یہ بیش و کم ترے
کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہی — اور ڈالی اُس پہ شام نے غربت کی گرد ہی
ہوتا زمانہ بس کہ ہے وابستہ شام سے — اور تو بھی ہی تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شب سیاہ کہ لیلائے شب ہی تو — عالم میں شاہزادیِ مشکیں نسب ہی تو
ہونا وہ بعدِ شام شفق میں عیاں ترا — اُڑنا وہ آبنوس کا تختِ رواں ترا
تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں — لہرانا پرنیان و حریرِ سیاہ میں
چمکیگا لشکر اب جو ترا آسماں پر — فرماں نشان میں یہ اُڑیگا جہان پر

تا صبح ہووے کارگہ روزگار بند
آرام حکم عام ہو اور کاروبار بند

عالم پہ تو جو آتی ہی رنگ اپنا پھیرتی — ہاتھوں سی مشک اُڑاتی ہی عنبر بکھیرتی

جلد اول

دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم   کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم

روئے زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں   اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں

بجلی ہنسے تو رُخ ترا دیتا بہار ہے   شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر

پورا ہے تیرا حکم پہ آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے   اس وقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے

خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی   اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی

سوتا گدا ہے خاک پر اور شاہ تخت پر   ماہی بزیرِ آب ہے طائر درخت پر

ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے   دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے

گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی   چوکا ہے بلکہ راہزنِ نابکار بھی

القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے   عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے

بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں   سب آگئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خوابِ عدم گیا

دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر   بیٹھا تھا جس کا سکہ زمیں آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشانِ زرق برق سے   رکھکر کرن کا تاج نکلتا ہے شرق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے   سکّہ ہے اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے
محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا
مزدور جابجا تھے جو دکھ درد پا رہے   اور پاؤں تک سروں سے پسینے بہا رہے
بارِ گراں غریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں   جب چار پیسے شام کو لے گھر میں آئے ہیں
اے شب تمام دن کی مصیبت سے ہار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے
اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں   پر دل کو ان کے دیکھو تو ہے سوز و ساز میں
سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے   جو مانگے زمانہ ہے حاضر لئے ہوئے
مخمل کا فرش ہے مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں
اور ان کے زیرِ سایہ پڑا اک غریب ہے   دن بھر اٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہے
تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو   وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہے شام کو
اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر   کھایا ہے اور مست پڑا ہے تنور پر

سر پر قیامت آئے تو اُس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے — وہ سب دلوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بیشمار ہیں — دن سے زیادہ رات کو مصروفِ کار ہیں
کیجئے ذرا خیال کہ مُلّائے نکتہ داں — بیٹھا ہے سر جھکائے بپائے چراغداں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی — مضموں جو ہیں گرہ ہیں اُلجھتے کبھی کبھی

بیٹھا حرام کرکے ہے آرام و خواب کو
کیڑے کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسہ کے طالب علم اپنے حال میں — کل صبح امتحان ہے سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دو دو سے — پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کرلیں جو کچھ کہ کرنا ہے شب درمیان ہے — کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے

جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دور ہے
قسمت تو ہر طرح ہے یہ محنت ضرور ہے

اور وہ جو لکھپتی ہے مہاجن جہان میں — آدھی بجی ہے پر وہ ابھی ہے دکان میں
گنتی ہیں دام دام کے ہی دم دیئے ہوئے — بیٹھا ہے گود میں بہی کھاتا لئے ہوئے

ہی سارے لین دین کی میزان تمام کی
لیکن غضب ہی بدھ نہیں ملتی چھدام کی

اور دیکھنا نجومیِ دانا کی شان کو — ہی کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اک آنکھ دوربین پہ ہی اک کتاب پر — ہی محو اپنے زائچہ میں اک حساب پر
گنتی ہی اس کی تاری ہی گنتے تمام رات — پر اب تو فکر ہی یہی دن بھر تمام رات
اک جنتری بناؤں کہ طرزِ جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیری پردۂ دامن کی اوٹ میں — دزدِ سیاہ کار بھی ہے اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کی کسی کے مکاں میں ہی — اور ہاتھ ڈال اس کی ہر اک این وآں میں ہی
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر — ہی چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر
لے جائیگا غرض کہ جو کچھ ہات آئے گا
دیکھو کمایا کس نے ہی اور کون اڑائے گا

اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہی — پھرتا ٹٹولتا ہوا مانند کور ہی
مطلب اڑاتا شعر سے مضمون غزل سے ہی — لاتا پر اپنے ڈھب سے لفافہ بدل کے ہی
تعریف اس کی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں
مضموں گیا ہی جن کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں
آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ اُمیدوار ہے
اور کرتا صدقِ دل سے دُعا بار بار ہے
مجھکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض
رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض
یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ کہ دل میں اثر کرے

اے رات یہ جو تو نے سرِ شام آن کر
سجّادۂ سیاہ بچھایا ہے تان کر
اور اس پہ حق پرست کہ یادِ خدا میں ہے
بیٹھا رہِ فنا پہ ہوائے بقا میں ہے
اس کو اسی کی ذات سے ہے لو لگی ہوئی
اور دل میں دم بدم ہے تگ و دو لگی ہوئی
کب تک رہے حباب گلا گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر ٹوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہے
اہلِ جہاز جن کا خدا کارساز ہے
بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دئیے ہوئے
کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں لئے ہوئے
یادِ مراد دیتی ہوا سے مُراد ہے
پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے
آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پر
اور جا رہی ہے دعا کی صدا آسمان پر
یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی اُمید پر
اے ناخدا تو رہیو خدا کی اُمید پر

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے — ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے جلد اوّل
ہرچند کام کاج سے ہے دن کی تھک رہی — بچے کو ہاتھ سے ہے برابر تھپک رہی
اور کہتی ہے کہ مجھکو پڑے یا نہ کل پڑے — ایسا نہو کہ یہ کہیں ڈر کر اُچھل پڑے

ماں کو تو سوتے جاگتے اُس کا دھیان ہے
کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے

پر جائے حیف حال اسی جان بلب کا ہے — سب جس کو کہہ رہے ہیں کہ مہمان شب کا ہے
دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے — لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے
بتّی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی — اور بےکسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی
اے رات مجھکو فکر یہی بار بار ہے — اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیویگا ہو صبح جب تلک
روئے گا کوئی شام کے مرنے کو کب تلک

آزاد آفریں ترے لطفِ زبان کو — پر کروٹ اب ہے رات نے دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دیے ہوئے — تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پیے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوشِ خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

آزاد

۱۷- رات

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات — خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا — اُٹھائے مزہ دن کا انسان کیا
لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند — زمانے کے سب کار و بار بند
ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے — خموشی سی چھائی سرِ شام سے
مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر — سرِ شام منزل پہ کھولی کمر
درختوں کے پتّے بھی چپ ہو گئے — ہوا تھم گئی پیڑ بھی سو گئے
اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا — ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا
ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ — ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ
کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر — کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر
تھپک کر سُلایا اُسے نیند نے — تردّد بُھلایا اُسے نیند نے
غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں — مشقّت سے جن کے بدن چور ہیں
وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے — وہ ماندے تھکے اور ہارے ہوئے
نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر — ہوئے بال بچّے بھی خوش دیکھ کر

گئے بھول سب بال بچوں کا غم سویرے کو اُٹھیں گے اب تازہ دم جلد اوّل

کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب

کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

اسمٰعیل

۱۸- خوابِ راحت

خوابِ راحت بھی ہے عجب چیز کیا عالمِ بیخودی ہے چھایا

اے نیند، نمونۂ قیامت تونے ہمیں آنکھ سے دکھایا

تو آئی ہوئے حواس بیکار کیا جانیے تونے کیا سنگھایا

جس وقت اُتر گئی گھٹا سی آنکھوں کا چراغ ٹمٹمایا

پھر چھوڑ گئی ہمیں جہاں میں پھر زیست کا ذائقہ چکھایا

پایا تو کبھی تجھے نہ دیکھا دیکھا تو کبھی تجھے نہ پایا

ہے تیری عجب حکمرانی دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا

رن میں فوجوں کو جا پچھاڑا بن میں شیروں کو جا دبایا

دہقان کو کھیت میں کیا چت گو کھیت کو گیدڑوں نے کھایا

ریوڑ کی خبر نہیں کہاں ہے — چرواہی کو گھاس پر لٹایا
لینے کو درخت پر بسیرا — چڑیوں نے پروں میں سر چھپایا
ڈھوروں نے بھی چھوڑ دی جگالی — چپ ہیں نہیں کان تک ہلایا
ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام — بچوں کو تھپک تھپک سلایا
روتے روتے جھپک گئی آنکھ — جھولے میں جھلا رہی ہے دایا
بیڑی سے رکا نہ ہتکڑی سے — محبوس کو قید سے چھڑایا
شاہوں کی بھی کرّ و فر مٹا دی — نہ تاج نہ تخت نے رعایا
زرّیں پردے نہ فرشِ مخمل — ایوان ہے گم سجا سجایا
جب سو گئے ہو گئے برابر — کب شاہ و گدا میں فرق پایا
جج کے بھی حواس ہیں معطّل — فیصل ہوئے قصہ و قضایا
ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار — سودے کا معاملا چکایا
ہے نقد کہاں کدھر گئے نوٹ — ساہوکاروں کو کنک بنایا
لالہ کو نہیں رہی ذرا سدھ — کیا ڈیوڑھا اور کیا سوایا
بنیوں کا الٹ دیا ہے ٹنٹر — روکڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے — دکھ درد کا کرب سب مٹایا

کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو — پُلٹس لگے زخم پر کہ پھایا
اوسان نہیں حکیم جی کو — کیا نیند نے لخلخہ سُنگھایا
پنڈت بھی ہوئے نچنت ایسے — اشنان کیے نہ جل چڑھایا
مُلّا کو بھی ہو گیا ہے نسیاں — بھولا ہے مسائلِ ہدایا
تعریف نہ کر سکا مہندس — کیا شکل ہے قائم الزوایا
جغرافیہ داں کی راہ گم ہے — لنکا ہے کدھر کدھر ملایا
کچھ یاد نہیں مؤرخوں کو — کیا کیا بر روئے کار آیا
بھولا ہے کتاب طالب علم — اُلٹا تو نے سبق پڑھایا
مطرب کی عجیب گت بنائی — کھٹراگ جہان کا بھلایا
چونکا نہیں قافلہ تری کا — ہر چند جہاز ڈگمگایا
چیتے نہیں ریل کے مسافر — انجن نے ہزار غل مچایا
باقی نہ رہا کوئی تردد — جھگڑوں میں تھا جان کو کھپایا
سب مشغلے ہو گئے فراموش — اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
دنیا کی خبر نہ دین کا ہوش — کیا ساغرِ بیخودی پلایا

تو نے کیا نیند کو مسلّط
قدرت ہے بڑی تری خدایا

اسمٰعیل

۱۹- آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاریگری　　نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام　　طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تونے یہ کیا خوب چھت　　کہ ہے ساری عالم کی جس میں کھپت
یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی　　اسے دیکھتے یونہی دُنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر　　رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں　　اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب　　ہمیشہ مُصَفّا ہے بے رُخنت و روب
نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف　　ادھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید　　عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول　　چُرس ہے نہ جھرّی نہ سلوٹ نہ جھول

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
نظر کی پہنچ کا ٹھکانا ہے یہ

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے　　چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

نظر آرہے ہیں عجب شان سے — ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے پڑے — زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکّر میں ہیں گھومتے — ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
یہ قایم ہیں تیری ہی تقدیر سے — بندھی ہیں بہم سخت زنجیر سے
وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی — نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی
عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور — تلا سب کا رہتا ہے آپس میں زور
یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر — لگاتے ہیں چکّر اسی باگ پر

نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں
کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں

اسمٰعیل

۲۰- تاروں بھری رات

اے چھوٹے چھوٹے تارو کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھکر نہ ہووے مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسماں پر جو ہی کُل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے یوں درخشاں اس روش سے کہ کسی نے جڑ دیئے ہیں
گہر اور لعل گویا
جو ہیں آفتاب تاباں نے چھپا لیا اپنا چہرہ
تو ہیں جلوہ گر ہوئے تم یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہی مسافروں کے حق میں بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی نہ میسّر آتی ان کو
تو غریب جنگلوں میں یونہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راست و چپ کی نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے
وہ غریب کھیت والے وہ اُمیدوار دہقان

کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی — کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہہ رہا ہے خرمن — کہیں آنکھ ان کی جھپکی
یونہی شام سے سحر تک — ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ — نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو — ہو تمھیں انھیں سُجھاتے

کہ گئی ہے رات آتی

وہ جہاز جن کے آگے — ہے وسیع بحرِ اعظم
انھیں ہولناک موجوں — سے مقابلہ ہے کرنا
کوئی ہے چلا وطن سے — کوئی آ رہا ہے واپس
انھیں کچھ خبر نہیں ہے — کہ کدھر ہے ان کی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی — نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل و رہبر — مگر اے فلک کے تارو

تمھیں اُن کے رہنما ہو

اسمٰعیل

۲۱- چاندنی

غنچۂ دل کو کھلا جاتی ہے آکر چاندنی
ہے برنگِ موسمِ گل رُوح پرور چاندنی

آسماں سے ہے جھما جھم بارشِ نورِ ضیا
نور کا دریا رواں ہے یا زمیں پر چاندنی

آسماں پر ہے ستاروں سے فروغِ نورِ ماہ
چار سو سطحِ زمیں پر جلوہ گستر چاندنی

گلشنِ دنیا میں یہ رنگیں بہاریں تجھ سے ہیں
نور کی مورت ہے تو اے ماہ پیکر چاندنی

عجز کہتے ہیں اسے ہے نام اس کا انکسار
بچھ گئی سطحِ زمیں پر فرش بنکر چاندنی

مُردوں پر رکھتی ہے لطف و عنایت کی نظر
ڈالتی ہے قبر پر رحمت کی چادر چاندنی

غنچۂ خاطر کھلے جاتے ہیں کلیوں کی طرح
کس قدر ہے دلکشا کیا پرفضا ہے چاندنی

ہر روش پر کیوں نہ اتراتی پھرے بادِ صبا
شام ہی سے باغ میں رونق فزا ہے چاندنی

باغ میں جوشِ طرب سے بلبلیں ہیں نغمہ زن
مرحبا اے اوج کیا عشرت فزا ہے چاندنی

ہے نمونہ قدرتِ صانع کا ہر سو آشکار
مظہرِ انوارِ حق شانِ خدا ہے چاندنی

اوج گیاوی

۲۲- جنگل کی چاندنی

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کی پتّے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھلکتے ہوئے

درختوں کے سایہ سے مہ کا ظہور
گری جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
سو وہ عالمِ وجد میں تھی کھڑی

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی بولنے وجد میں واہ واہ

میر حسن

۲۳- برکھا رت

گرمی کی طپش بجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان
عارف کے لئے کتابِ عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون خدا کی شان برسات

آئی ہی بہت دعاؤں کے بعد
اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہی آسماں پہ برپا

ہی ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہی چرخ پہ چھاؤنی سی چھائی
اک آتی ہی فوج اک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہی جب کہ باڑ چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینھ کا ہی زمین پر دڑیڑا
گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
آنکھوں میں ہی روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہی جدھر نگاہ جاتی
قدرت ہی نظر خدا کی آتی

سورج نے نقاب لی ہے منہ پر
اور دھوپ نے تہ کیا ہی بستر

باغوں نے کیا ہی غسلِ صحت
کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

سبزہ سے ہی کوہ و دشت معمور
ہی چار طرف برس رہا نور

بٹیا ہی نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر — کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ — یا ربّ لنا ولا علینا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری میگھ راجا
کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی — گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملہار گاتا — ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے
سرون کوئی گا رہا ہے میٹھا — چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا
رکھشک جو بڑے ہیں جین مت کے — ڈھکنے ہیں دیوں پہ ڈھکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھشا
تاجل نہ بجھے کوئی پتنگا

کھم باغوں میں جابجا گڑے ہیں — جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کمسن — جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری — اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی — جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے — اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی ملار گاتی — اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا — کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اک جھولے سے وہ گری ہے جاکر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگاکر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں — تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی — اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی — مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چکلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے — دن بھر میں ہیں بڑے جا کے لگتے

زوروں پہ چڑھا ہوا ہی پانی موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں موجوں کی تھپیڑیں کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان
منجھدھار کی رَو یہ زور پر ہی
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہی

حالی

۴۲- برکھارت

اُٹھ ساقی برکھارت آئی بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا پڑے ہیں جھولے باغ میں ہر جا
اُڑیں ملاریں گرجے ہنڈولے گائیں سکھیاں پپیہے بولے
رات کو جھینگر پھونکے نفیری دن کو ساون گائے بھنبیری
کہیں پوربیے آلھا گائیں جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے کجری گائیں بنارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل سارے درخت ہیں تاڑا منڈل

اگلا جھولے بگلا جھولے
کریا ماس کریلا پھولے

علاء ایل کنئوری

۲۵۔ برسات

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا — ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی — ہوا میں بھی اک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی — تو بے جان مٹی میں جاں آ گئی
زمیں سبزے سے لہلہانے لگی — کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی
جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل — عجب بیل پتے عجب پھول پھل
ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے — ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا — کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا — وہاں آج ہے گھانس کا بن کھڑا

ہزاروں پھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

اسمٰعیل

۲۶ - برسات

ابھی اندھیرا ابھی اُجالا بادل تو بر تو　　بوندا باندی کبھی پھوار اور کبھی ہڑ ادھڑ
جنگل جنگل کوسوں جل تھل گویا ساگر تھال　　ٹیلے ٹھیے گھور اور مینڈے ٹاپو کی تمثال
جھیلیں تال تلاؤ تلیّاں جیسے چھلکتا جام　　سڑکیں لیکھیں باٹ اور ڈبیں ندیاں بنی تمام
تیز ہوا کی ٹکر کھا کر جھیلوں میں اک جوش　　لہریں چکر بھنور پٹاریں اُٹھتی دوش بدوش
لانبی پل کیا چھوٹی پلیں ڈاٹوں تک بھرپور　　پلٹیں کھاتا جھاگ اُڑاتا پانی کرتا شور
جھاڑی بوٹی روکھ اور پودے اونچے نیچے پیڑ　　کچھ بچھ جاتے جھاسے کھا کر موج ہوا کی ایڑ
ایک تو مینہ کی موسلا دھاریں پھر پروا کا زور　　کھیت گری مکا کے جیسے دُم گرائے مور
سارس بگلے بط مرغابی مور اور چپے ہزار　　اُڑتے اک اک اوج ہوا پر کوئی باندھ قطار

ڈبکی ماریں تیریں اُچھلیں کبھی مچائیں شور
پھر بھی سوکھے واہ رے ان کے پر پرزوں کا زور

جلال مُرادآبادی

۲۷- بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی — تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی
آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادرِ ابرِ سیاہ — برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ
بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگے — داستانِ قلزم و اعماں کو دُہرانے لگے
جھوم کر اُٹھی گھٹا۔ برسی برس کر پھٹ گئی — گرد کی چادر زمیں کے مُنہ سے فوراً ہٹ گئی
بادلوں سے نورِ خورشید اس طرف چھننے لگا — سائبانِ قوسِ قزح کا اُس طرف تننے لگا
سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن — تھا چمن کا ہر اک کونا ختن اندر ختن
جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور — کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور
ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب — تھی شفق کی اس کے مُنہ پر ایک نارنجی نقاب
یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دلفریب — ہاتھ سے جاتا رہا دل میرا اور دل سے شکیب

عالمِ از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جوشِ مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

ظفر علی خان

۲۸- فضائے برشگال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار — چٹک رہی ہیں شگوفہ برس رہی ہے پھوار
سہی قدوں کا ہے جمگھٹ کنارِ آبِ رواں — کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار
ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری — کہ جیسے گاتی ہو مدھوبن میں کوئی سندر ناَر
ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی — ہوا میں اُڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

سرور جہان آبادی

۲۹- فضائے برشگال

ذوقِ مے نوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی — اور لے اُڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی
ابر دریا سبزہ ساقی یار مطرب دخترِ رز — ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی
رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو عروسانِ چمن — پتی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی
مور ناچے کوئلیں کوکیں پپیہے بول اُٹھے — وصل کے دن آ گئے فصل آئی کیا برسات کی

ساقیا جامِ سبو سے ایسی آرائش بڑھی
آ کے میخانہ پہ صدقہ ہو گھٹا برسات کی

امیر

۳۰- ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو
وہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو

جوش و خروش رعد نے یہ دھوم دھام کی
ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو

بجلی تڑپ تڑپ کے دکھلانے لگی چمک
رونق ہوئی دوچند ہر اک برگ و بار کو

کچھ لکھ رہا ہی ابر سپید و سیاہ و سُرخ
مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

ہم مشرب اپنے چند جواں تھے سو نہر پر
تشریف لے گئے وہ بتوں کے شکار کو

انشا

۳۱- پہاڑی بادل

وہ دیکھو کوہ کے پہلو سے طفلِ ابر اُٹھا
وہ سامنے ہی جہاں پیڑ ہی یوکلپٹس کا

وہ بھاپ سا وہ دھواں سا وہ ملگجی سا ابر   وہ ننھا منا بگولا سا وہ ذرا سا ابر   جلد اول
وہ پیارا پیارا سا وہ دلربا سا دیکھو تو
نہ دیکھا ہو گا کبھی یہ تماشا دیکھو تو

اہا ہا۔ کھڈ میں سے اور اک غبار سا نکلا   ہوا کے گھوڑے پہ بادل سوار سا نکلا
وہ پھیلا اور وہ سرکا بڑھا چڑھا کیا خوب   وہ مل کے دونوں نے ٹیلہ چھپا لیا کیا خوب
اندھیرا ہو گیا اب ڈھونڈ نکا رہا دل سے
نہاں نظر سے ہوئے سبز کھیت مخمل کے

وہ دیودار کے جنگل وہ قرن خوش منظر   بنی ہوئی تھے جو سب کوہسار کا زیور
نظر فریب جو تھیں پھول پتیاں ایلو   وہ سب دھندلکے میں دل کی چھپ گئیں دیکھو
وہ آسمان کا حسنِ نظر فریب چھپا   فرازِ کوہ کھڈوں کا جو تھا نشیب چھپا
وہ دل فریب سماں سب نظر سے اوجھل ہے
زمیں سے تا بہ فلک اب تو صرف بادل ہے

لو بھیگی بھیگی ہوا آئی مینھ برسنے لگا   لو بوندوں کا سر کہسار پہ بندھا سہرا
لو کھڑکیوں پہ جھاوٹ کی چلمنیں چھوٹیں   لو وہ پہاڑ سے پتھر گرے سلیں ٹوٹیں
لو پانی سانپ کی مانند کوہ سے اترا   لو کھنڈ کی سمت چلا بے تحاشا لہراتا

چلا دل اچھلتا کودتا رکتا ہوا چلا آ رہا   سمٹتا، پھیلتا، جھکتا ہوا - چلا آ رہا

بدلتا رنگ کھڈوں میں مچاتا شور گھسا

چمکتا گرتا سنبھلتا دکھاتا زور چلا

نکھر رہے ہیں شجر اور حجر دلھن کی طرح   پہاڑ پر ہے بہار آج کل چمن کی طرح

عروجِ روح کو حاصل ہے لطفِ منظر سے

یہ طفلِ ابرِ الٰہی یونہی بڑھے برسے

واسطی

۳۲- ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر   اور اٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی   سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی   اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا   جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا

سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز   سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز

ان سبز کیاریوں پہ دل ہیں لوٹتے   طوطے برنگ طائرِ بسمل ہیں لوٹتے

شبنم عجب بہار ہے اپنی دکھا رہی — موتی بکھیرتی ہے جواہر لٹا رہی — جلد اوّل

پتّوں پہ آب رنگ سے مینا نگار ہیں — ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں

لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پہ آ گئے — اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے

کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے — برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہے

لیکن یہ باجرا سا برسنا پھوار کا — ہیگا پیام ابرِ بہاری کے تار کا

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں — اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں

وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے — وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں نالے چھلک رہے

آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا — اور روئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا

گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے — اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے

جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالا آب کے — گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں — آپس میں بولی بول کے کرتے کلول ہیں

کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا — اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگولنا

طاؤس کا وہ دُم کو جھنجھوڑ کر کے ناچنا — اور مورنی کا اشک کے موتی کو جانچنا

لیکن چمن سے ناچ کے چلتا جو مور ہی — اک قہقہہ بہ طنز لگاتا چکور ہی

اِملی کے اِک درخت میں جھولا پڑا ہوا — اور ساتھ اُس کے آم کا ٹیکا لگا ہوا

جلد اوّل جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے اور بیچ آم کے ہیں پپیہے بجا رہے
ساون کے گیت اُٹھتے ہیں طوفاں لوٹیں ہیں پردیسیوں کی یاد سے ارمان لوٹیں ہیں
پھر مجھ کو رشک ہے اسی مستِ مدام پر جس کی کہ میکشی نہیں موقوف جام پر
مستانہ پن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی مستانے ساتھ رکھتا ہے دو چار اور بھی
سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے اور دمبدم یہ مطلع موزوں زباں پہ ہے
یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دنوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

آزاد

۳۳۔ بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا
کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا
بچھ گیا ہے دھوپ سے سونے کا پتر ہر طرف
خوب برساتی ہیں کرنیں ہُن زمیں پر ہر طرف

صحن سونے کا ہی چھت سونے کی گھر سونے کے ہیں
پھول پھل پتّے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے مگر عالم میں خورشیدِ فلک
جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہی سونیکی چمک

مختلف چڑیاں اُڑیں کوّے اُڑے چیلیں اُڑیں
اپنے اپنے آشیانے سے ابابیلیں اُڑیں

بھوک سے ہیں سب پرندے اور چرندے بیحواس
ڈھونڈھتا ہی کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہی نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اُچھلنے کی ادا

سبز میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے
دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

شوق قدوائی

۴۴۔ برسات کی شام

دن ہی کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابر سیاہ
کھل گئی دنیا میں آنے کے لیے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجار و دشت

وہ شفق کی سرخ رنگت اور فلک کا مرغزار
ساونی پھولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں چرخ اک کوہ ہے آتش فشاں

جلوہ گر ہے چرخ پر سورج کے پرتو سے دھنک
یا اٹھا ہے وہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک

یا کسی کے واسطے کھولے ہے آغوش آسماں
یا لیے ہے دوش پہ ترکِ فلک اپنی کماں

دستکاری اپنی کی معمارِ قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاقِ قصرِ آسماں

(شوق قدوائی)

۳۵ ۔ شبِ ابر

اے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں

کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا

سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا

بجلی کبھی کبھی نگہِ فتنہ ساز سے
کرتی نقاب ابر میں چشمک ہے ناز سے

اور گونجنا پپیہے کا وہ دل کی ہوک سے
نالہ کو اپنے تولنا کوئل کی کوک سے

کوٹھے پہ ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ اوس میں
ہو گُل کو فخر آوے اگر پائے بوس میں
آنا وہ بھیگی بھیگی ہوا کا کبھی کبھی
بول اُٹھنا مُرغِ نغمہ سرا کا کبھی کبھی

آرام کہہ رہا ہے کہ میرے ہی ہو رہو
قسمیں ہے دیتی نیند کہ بس اب تو سو رہو
آزاد لکھتے لکھتے ہے آدھی تو ڈھل گئی
اور شمع لالٹین میں ساری پگھل گئی

طولِ امل کو اپنے اب انجام دیجئے
کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام لیجئے

آزاد

۳۶۔ مینڈک کا راگ

سُن او شوریدہ حال سودائی بند کر اب یہ اپنی شہنائی
میں نے مانا کہ آج کل برسات لطف میں کٹتے ہیں ترے دن رات

تری فصلِ بہار ہے بے شک — تجھ کو یہ سازگار ہی بے شک
پر مجھے کیوں ستا رہا ہے تو — مفت کیوں غل مچا رہا ہے تو
صدقہ اِس اپنی خوش گلوئی کا — واسطہ اپنی خوب روئی کا
تجھ کو سوگند تیری صورت کی — اِس گھنانی ڈرانی مورت کی

تجھ کو جوہر کا واسطہ اے دوست
وجہِ غوغا بتا مجھے اے دوست

کیا ترا نالۂ فراق ہے یہ — یا صدائے پر اشتیاق ہے یہ
یا کسی سے ہی دل لگا تیرا — تجھ سے محبوب چھٹ گیا تیرا
تو بھی مذبوحِ تیغِ فرقت ہے — کیا یہ تیری بھی شام غربت ہے
کس لیے تو نے غل مچایا ہے — آسماں سر پہ کیوں اُٹھایا ہے
رات بھر سُن چکے تری ٹرٹر — نیند بھر سونا ہو گیا دوبھر
کوئی حد بھی ہے تیری اس ٹر کی — انتہا کوئی تیری اس بڑ کی
جھٹ بیٹھے سے لگا ہی ٹرانے — صبح ہونے کو آئی دیوانے
دیکھ تو آدھی رات ڈھلی کب کی — رہ گئیں چند ساعتیں شب کی
اے ظالم خموش بس کر — تا کجا عائیں عائیں اور ٹرٹر

جلد اوّل

۳۷ - اپنے گھر کا حال

کیا لکھوں میں اپنے گھر کا حال
اس خرابی میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لون لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

اس چکش کا علاج کیا کیجے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو راہ کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لا کے یہ کہے ہیں سب
کیونکہ پردہ رہیگا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہنگی جیسے پات

باؤ میں کانپتے ہوں جو تھر تھر
ان پہ ردّا رکھے کوئی کیونکر

کیچ لے لے کے بائے چھویا ہے
چھو بنا کا ہے کا ہے تھویا ہے

ایک حجرہ جو سب سے ہے اچھا
سنیے اب اس کا حال مجھ سے ذرا

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیری ہے خاک

جلد اوّل

کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں — چھپر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
آگے اس حجرے کے ہے اک ایواں — وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ — اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے — کبھو چھت سے ہزار پائی گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی واسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مدِّ نظر — گھر کہاں صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالیں چھت پر ہم — تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
دی ہیں اڑواڑیں پھر جو حد سے زیاد — چل ستوں سے مکان وے ہے بیاد
اینٹ مٹی کا گھر کے آگے ڈھیر — گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال — پیڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
طوطا مینا تو ایک بابت ہے — پودنا پھدکے تو قیامت ہے
کیونکہ ساون کٹیگا اب کی بار — تھرتھرائے بھنبھیری سی دیوار

ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا — شاق گذرے ہی کیا کہوں جیسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب — اُڑ بھنبیری کہ ساون آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے — جانِ محزوں نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ — کہیں کھسکے تو ہے قیامت تنگ
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا — بے گماں جیسے ہوا آ بیٹھا
نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا — ایک کالا پہاڑ آن گرا
مٹی اس کی کہیں کہیں کھسکی — جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی
سان کر خاک لگ گئے دو چار — بارے جلدی درست کی دیوار
اچھے ہونگے کھنڈر بھی اس در سے — برسے ہے اک خرابی گھر در سے
اُکھڑے بکھرے کواڑ ٹوٹی وصید — زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید
خاک لوہے کو جیسے کھائے پاک — چھیڑ دیجئے تو پھر تری ہے خاک
بند رکھتا ہوں در جو گھر میں رہوں — قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہ ہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور — ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو اسے بتائے شتاب — ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہرہ دِلّی کا — جیسے روضہ ہو شیخ چلّی کا

بانس کی جا دیئے ہیں سرکنڈے — سوتے بھیتوں میں ہیں تنے ٹھنڈے
گُل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب — پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بہہ گئے کھپر — پھونس بھی تو نہیں ہے چھپّر
واں جو ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا — یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا — کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں — بیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
بس کہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی — کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں — کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں
بان جھینگر تمام چاٹ گئے — بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے
تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم — ان پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم
ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور — ایک مگری پہ کر رہی ہے شور
بوریا بھیل کر بچھا نہ کبھو — کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
ڈیوڑھی کی یہ خوبی ور ایسا — چھپر اس چوچلے کا گھر ایسا
جنس اعلےٰ کوئی کھٹولا کھاٹ — پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی — چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

جلداول

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں — سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر نکوڑا ہی — کھانے کو شام ہی سے دوڑا ہی
ایک چٹکی میں ایک جھنگی پر — ایک انگوٹھے پر ایک انگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا — پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں — ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
ہاتھ تکیہ پہ گہہ بچھونے پر — کبھی چادر کے کونے کونے پر
سلسلا پا جو پائتی کی اور — وہیں مسلا کرا ایڑیوں کا زور
توشکا ان رگڑوں میں ہے سب پھاٹی — ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان — ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی ندان
نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو — پائے پٹی لگائے کونے کو
سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل — آنکھ، منھ، ناک، کان میں کھٹمل
اک ہتھیلی میں ایک گھائی میں — سینکڑوں ایک چارپائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہئے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیئے
یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار — اس میں سی سال وہ گری دیوار
دو طرف سے تھا کتوں کا رستہ — کاش جنگل میں جا کے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکاروں ایک دو کتّے ہوں تو میں ماروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبتِ نغز کتّوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس خوابِ راحت یہاں ہے سو سو کوس
قصّہ کوتہ دل اپنا کھوتا ہوں رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہی کاہے کا نام ہی گھر کا

میر

۴۳۔ جاڑے کا موسم

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا بلکہ کہیے کہ زمہریر ہوا
اِن دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
گُھر پڑنے کو کہتے ہیں سب یار ٹھنڈے سے ہی جہاں کے نکلیں غبار
ایک دیکھا جو غور کر کے میر آپ نکلے ہے مُنھ سے آسمان کے بھاپ

جلد اول

ڈے ہی پوشش زمیں کو پاؤں سی جھاڑ   پابدامن ہیں جسقدر ہیں پہاڑ
پانی پر جس جگہ کہ کائی ہی   سبز وہ شال کی رضائی ہی
بس کہ یخ بستہ بحر میں ہی آب   برف کی ہی رکابی ہر گرداب
عکس پانی میں یوں ہی شکل پذیر   رہتی ہی زیر شیشہ جوں تصویر
نہیں ہی نہر باغ میں اس دم   بچۂ بط بھی یخ بچہ سے کم
تیغ سے کاٹتا ہی آب وہ چند   آب میں اسقدر ہوئی ہے گزند
اکڑے جاتے ہیں دیکھ سنبل کو   گٹھری ہو جائے گل کے غنچہ میں بو
دیکھ گل پر صبا نہیبِ برد   پھرتی پھرتی ہی ہر طرف دمِ سرد
گر پڑے برگ تاک سڑ کے تمام   بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام
صرصر صبح جان کھوتی ہے   تیر سی دل کے پار ہوتی ہے
باد سے برگ کھڑکے ہیں اس بھانت   بجتے تو باجتے ہیں دانت سودا
جس طرف اب نگاہ جاتی ہی   جوہی جوں بید تھرتھراتی ہی
کانپتے ہیں درخت و ارض و جبال   موسم ڈے ہی یا رو یا بھونچال
آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹرتی ہے   گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے   طرح یاقوت کی اب انگارے

ہی یہ آفت چراغ تک دبکے — لو گویا کہربائے شمع سے ہے
جاڑے لگنے کا یخ تلک ہی حرف — لپٹی رہتی ہے نمدوں ہی میں برف
دیں ہیں برباد ٹھنڈ سے یکدست — جو کوئی ہے سو آفتاب پرست
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات — کالے کمبل میں کاٹے ہے رات
رعد سردی کے ہاتھ گرم فروش — ابر دوش ہوا پہ بالا پوش
برف پڑتی نہیں فلک نداف — پھینکے ہے واسطے زمیں کے لحاف
شب جو رخشندگی پہ برق آئے — ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جائے
گر کسی شخص کو مرض ہے اب — تو وہ جاڑے ہی سے کرے ہے تپ
فرطِ سرما سے دیکھیے جس کو — دست زیرِ بغل ہے مثلِ سبو
منعموں کے گھروں میں آج اور کل — ہیں پڑے پردے ڈھکے ہے منقل
پہنتے ہیں سمور اور قاقم — ٹھنڈ سے کھینچتے بہم سو دم
اس پہ جاڑے سے ہے یہ انکا حال — ناک سے چھوٹتا نہیں رومال
جھینکنا جاڑے کا جو جھینکیں ہیں — اک سخن ہی تو لاکھ چھینکیں ہیں
کوئی اب جا بے ہل نہیں سکتا — گھر سے باہر نکل نہیں سکتا
پھر جو کوئی ندان نکلے ہے — ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لپٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور — جس طرح ناشپاتی و انگور
اہلِ حرفہ کو سمجھیے جو نکما — کاروبار اُن کا ہو گیا ہے تباہ
پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارا — ہائے اب کیا کروں میں بیچارا
سقّا بولے ہے جم گئے آنکھوں میں اشک — یارو پانی نکالو چیر کے مشک
آہ قنّاد بھر کے یوں بولے — بنی تھی قند ہو گئے اولے
دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں — برفی جھٹ کچھ دکاں میں اُٹھتی نہیں
لگے ہے تو اب جو مرتے بیچارا — یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا
غرض ایسی ہی کچھ پڑی ہے ٹھنڈ — مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ
سودا آخر ہے سردی کا مذکور — شعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

سودا

۹۳۔ شبِ سرما

اے زمستاں کہوں کس طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ ہر بات کا لطف

ہے کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فرغل بیٹھا
پر پھلائے ہوئے جیسے کوئی بُلبُل بیٹھا

اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف اپنا ہے
کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلاف اپنا ہے

کچھ لحافوں سے ابھی مُنہ کو نکالے ہیں پڑے
لیکن انگیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پڑے

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھرّاتے ہیں
بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھُسے جاتے ہیں

کہیں سُو سُو کہیں سی سی ہے کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے

سازِ عشرت کے لیے برگ و نوا ہی تجھ سے

شب سراہی میں ہی گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

یار حقّہ کے ترے دور میں ملتے ہیں مزے
دودِ تلخ اس کے سوا دودھ سی دیتی ہیں مزے

ہی جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہی تو لیتا ہے کہانی کا مزا

صُوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

ہر طرف ہیگی پیالی پہ پیالی اُڑتی
مے نہ ہووے تو ہے تصویر پیالی اُڑتی

بے نشے مست پڑے شکر خدا کرتے ہیں
چائیں پی پی کے ترے سر کو دعا کرتے ہیں

بس کر اے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی
مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا

آرزو کچھ نہیں دُنیا کی رہی ہے دل میں
اب تمنا جو ہی باقی تو ہی ہے دل میں

طپشِ عشق سے دل میرا ہے نرم سدا
گرمیِ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

آزاد

۴۹۔ موسم خزاں

گزر چکیں تھیں بہاریں خزاں کا موسم تھا
کہ اتفاق سے میں اک چمن میں جا نکلا
عجیب حال گل و گلستاں نظر آیا
نگاہ اٹھا کے جدھر دیکھا آنکھ بھر لایا
وہ زرد زرد تھے رنگ آہ سبز پوشوں کے
کہ شکل دیکھی نہ جاتی تھی ان کی آنکھوں سے
کھڑے تھے بیکسی و مجبوری سے بچارے سے
لٹے لٹائے پریشان غم کے مارے سے
نہ موتیا، نہ چنبیلی، نہ موگرا دیکھا
برائے نام نہ غنچہ کوئی کھلا دیکھا
زباں دراز نہ سوسن کہیں نظر آئی
نہ آنکھ نرگس شہلا نے ہائے دکھلائی

جلد اول

نہ سبزیاں، نہ طراوت نہ تازگی نہ فضا — نہ خوشگوار ہوائیں نہ لطف نظارا

روش روش پہ غضب بتری سی چھائی ہوئی — خزاں کی ہاتھ سے اک خاک سی اُڑائی ہوئی

یہ سیر دیکھ کے دل میں بہت ہی پچھتایا — کہ آج اس جگہ کیوں سیر کو چلا آیا

یہاں نہ آتا تو ناحق ملال کیوں ہوتا
کسی کے حال کا مجھ کو خیال کیوں ہوتا

مائل

۱۵۔ موسمِ خزاں

آزمستاں کہ ہی تو بادشہ برفانی — شاہِ برفانی و شاہنشہ برفانی

بادِ صرصر ہی نشاں تیرا اُڑاتی آتی — فوج اقبال کو رستہ ہی بتاتی آتی

جس طرف تیرے پھریرے کا ہی جھوکا جاتا — مارے ہیبت کے ہی دل سینوں میں تھرّاجاتا

باغ پر جب ہی ترے قہر کا جھوکا آتا — ڈر کے ہر برگ ہی پیوندِ زمیں ہو جاتا

تیرے سنّاٹے سے ہوتی ہی فنا جانِ نبات — خوف کے مارے دہل جاتے ہیں طفلانِ نبات

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن — مُنہ چھپاتے ہیں گُل و سنبل و ریحانِ چمن

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اُڑاتے سارے — گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے

نغمہ سنجانِ چمن پر ہیں پھُلائے بیٹھے — اور پر بال میں ہیں مُنھ کو چھپائے بیٹھے [illegible]
باغباں کا جو گلستاں میں گذر ہوتا ہے — لبِ حیرت سے یہی کہتا ہوا رو دیتا ہے
یا الٰہی وہ جوانانِ چمن ہو گئے کیا — باغ سنسان ہے مرغانِ چمن مر گئے کیا
رازِ غم کس سے کھلے باغ میں بلبل بھی نہیں — کان میں پوچھیے کس سے کہ رہا گل بھی نہیں
نہ تو غنچہ کوئی باقی ہے کہ جو مُنھ کھولے — نہ ہے گلزار میں سوسن جو زباں سے بولے

کہ درختانِ چمن باغ میں عُریاں کیوں ہیں
ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہیں

آزاد

۳۴ - آمدِ بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی — ہو گئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک — اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر — رو کشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی — بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے — چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے تو اک یہی شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے باد پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ

شاہِ دیندار نے شفا پائی

غالبؔ

۴۳۔ آمدِ بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی

بہار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی

بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے

زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اس نے

بہار آئی ہے پھر اپنی نقاشی دکھاتا ہے

بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

جہاں سے مِٹ گیا برگِ خزاں کا بد نما سکّہ

بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکّہ

ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب یہ اُن کو منھ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اِس نے برف صاف پگھلا کر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جا کر

نسیمِ باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردہ سے سبزے کے نکلنے کا

دُلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیّرِ اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رُخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رُخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اس پہ غالب آئی جس کی سُرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ ارض سے گُل پیرہن لاکھوں
کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

جلا دل پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبت سے ہوا منھ چومتی ہے بار بار آ کر

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں ان کو جکڑتی ہے زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

عیاں سبزہ پہ الفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کے بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالہ کے کہ انگارے دہکتے ہیں

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دلربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

دیا ہے تتلیوں کو رزق کا سامان پھولوں نے

کیا بھونروں کو جو شش فیض سے مہمان پھولوں نے جلاؤل

ہَوا ہی نے کھلائے گُل ہَوا ہی پھر گراتی ہے

زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر ان کو کھاتی ہے

غرض اے شوقؔ اترانا عبث ہے حسنِ فانی پر

گھمنڈ انسان کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

شوقؔ قدوائی

۴۴۔ صبحِ بہار

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار
واہ کیا دلفریب ہیں اشجار

ہر طرف ہیں شگفتہ لالہ و گُل
ہے چمن پر غضب کا آج نکھار

شاخِ گُل پہ ہے بُلبلوں کا ہجوم
کر رہی ہیں ستایشِ غفّار

کیا ہے پر درد نالۂ قمری
کیسے دلکش ہیں نغمہائے ہزار

کہیں طوطی کی پیاری پیاری صدا
کہیں کوئل کا کوکنا ہر بار

کہیں وہ شور و غُل پپیہوں کا
کہیں وہ نالہ ہائے بُلبلِ زار

کیا ہی دلکش ہے صُبح کا عالم
رشکِ جنّت ہے تختۂ گلزار

ہر طرف طائرانِ خوش الحان شادمانی کا گا رہے ہیں ملہار
جس طرف دیکھو پُر فضا ہے سماں جس طرف دیکھو سبز ہیں اشجار
کہیں بیلا چنبیلی جوہی ہے کاسنی کیتکی کہیں ہیں چنار
کہیں شبّو کہیں گلاب کے پھول کہیں نسرین و نسترن کی بہار
کیسے سرسبز ہیں یہ برگ و شجر کیسے شاداب ہیں گُل و گلزار
نہ کہیں پر خزاں کا نام و نشان باغ سیراب سبز ہیں اشجار
چل رہی ہے نسیم عنبر بیز جس سے بشاش ہو دلِ بیمار
واہ کیا دلفریب منظر ہے
واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار

اوج

۴۵۔ لطفِ بہار

اک روز گلستاں میں جو میرا گزر ہوا لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا
جادو بھرا تھا گل کا ادھر حُسنِ جانفزا بُلبُل ادھر ترانۂ اُلفت سے خوش نوا
سبزے کا فرش دِ بہاری بچھا گئی شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادائے تبسم دکھا رہی — تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی جلدِ اوّل
بادِ صبا انھیں تھی کبھی گدگدا رہی — منھ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی
شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ملا رہی — تھی گاہ طفلِ غنچہ کو جھولا جھلا رہی
مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی — انداز لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی
سوسن کی ہمزباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

تھیں خندہائے گُل میں عجب جاں نوازیاں — نالوں میں بلبلوں کے تھیں جاں گدازیاں
پیچے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں — نرگس کی چشمِ مست میں سو سحر سازیاں
کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھیں ٹپک رہی اسکی شرارتیں

مرغانِ بوستاں بھی بیتاب سر بسر — بیچین اُڑ رہے تھے چمن میں اِدھر اُدھر
گویا وہ ڈھونڈتے تھے کسی کو شجر شجر — قربان کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر

نرگس پہ نسترن پہ گُل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر
دھانی لباس پہنے عروسِ بہار تھی زیبِ گلو کیے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگِ گُل سے شانِ جمال آشکار تھی جوبن کے اس بہار پہ جنت نثار تھی
شہرت بہارِ حُسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغِ جناں کی زبان پر

مبارک

۴۹ - بہار

شادابی ہوا میں یہ کیفیت اب کے ہے سو رنگ کے شگفتہ ہیں گُل شاخسار پر
اشجار جھومتے ہیں پڑے صحنِ باغ میں تاک اینڈتے ہیں مست پڑے جوبار پر
تجھ بن بہار لالۂ خود رو نے اے نسیم
کچھ آگ سی لگائی ہے آ کو ہسار پر

انشاء



۴۷۔ جوشِ بہار

بہارِ لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں — گریباں چاک کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں
جنوں کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا — کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

آتش

۴۸۔ بادِ مراد

چل اے بادِ بہاری سمتِ گلزار — تمنائی ہے تیرا ہر گل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں سنسان — گیاہِ مردہ میں تو ڈال دے جان
نہیں گلشن میں پتے کا بھی کھڑکا — ذرا شاخیں ہلا طائر کو بھڑکا
لپک تیزی سے اے بادِ بہاری — کہ ہو جائے چمن پر وجد طاری
جو تو لپکے تو سبزہ لہلہائے — چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
لچک جائے کمر نازک شجر کی — زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی
ٹپک جائے جو ہو پکا ہوا پھل — کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل
سنا بادِ صبا کیا کیا خبر ہے — قلمرو میں تری کل بحر و بر ہے

ذرا کر دامنِ صحرامیں راحت بہت کی تونے دریا کی سیاحت
بس اب آرام کر لوگوں کے گھر میں رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
ترے ہمرہ چلے آئے ہیں پیہم یہی ہیں کیا سفیرِ بحرِ اعظم
جلو میں ہے ترے اک فوج جرار تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار
اُٹھایا ہے سمندر تو نے سر پہ گھٹا کو لاد کر لائی کمر پہ

ترے تیزی سے ہیں بادل چمکتے
ترے جھونکوں سے ہیں قطرے ٹپکتے

چمن میں یہ جو ٹھنڈی ہوا ہے ہجومِ طائرانِ خوش نوا ہے
کبھی جھونکا نکل جاتا ہے سن سے کبھی آہستہ رو موجِ صبا ہے
غبار و گرد سے جو اَٹ گئی تھی صبا نے غسل کا ساماں کیا ہے
ہوا نے کیا ہوا باندھی چمن میں کہ خوبانِ چمن کا سر کھلا ہے
چمن کا پتّہ پتّہ ہے نوا سنج صبا کی آمد آمد جا بجا ہے
گلوں کی ڈالیاں جھک جھک گئی ہیں زمیں پر سبزہ کیسا لوٹتا ہے
کھلی ہر پنکھڑی گلہائے تر کی صبا نے کان میں کیا کہہ دیا ہے

بکھیری نسترن پر زلفِ سنبل صبا شوخی میں فتنہ ہی بلا ہے

گیاہِ سبز کا طرّہ پریشان

صبا تیرے ہی چھیڑے کی ہوا ہے

کرے بادِ مراد آہنگ آفاق جہازِ سست رو ہی تیرا مشتاق

پھریرے کو اڑا کس بادباں کو کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستاں کو

خلیج و آبنا، و بحر و ساحل ترے دیکھے پڑے ہیں سب اماکن

مقامِ استوائے تا بہ قطبین تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین

بہت ڈھونڈے ہیں کوہ و دشت تجھ نے

کیا بحرین کا گلگشت تو نے

تو ہی ہے اے نسیم صبح گاہی مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی

جہاں میں ہیں ترے الطاف حاوی غریبوں اور امیروں پر مساوی

کبھی بنتی ہے ایسی تند پُر زور معاذ اللہ معاذ اللہ ترا زور

اگر تو خشمگیں اے تند خو ہو تہ و بالا جہازِ جنگجو ہو

کبھی دریا میں لیجائے بہا کر کبھی ساحل پہ دے پٹکے اٹھا کر

اڑاتی ہے اسے تو راہ بے راہ جہاز آگے ترے ہے مثل پرکاہ

ہوا (قول)

معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے — تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے
اُجاڑا تو نے گلزار و چمن کو — ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو
یہ چھیڑا نے میں کیا راگ تو نے — نیستاں میں لگا دی آگ تو نے
تری رفتار ہے بیباک کیسی — اُڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی
یہ گل کرتی ہے تو بے تامل — کیا اک دم زدن میں شمع کو گل
کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو — کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو
چرا لیتی ہے تو پانی کو چپ چاپ — نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ
جو بادی چور تو ایسی نہ ہوتی — تو پاتے صبح کو شبنم کے موتی
خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے — تری تیزی برابر ہر کہیں ہے
اُجاڑا گر کسی مفلس کا چھپر — اُکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر
نہ در گزرے غریبوں کے مکاں سے — نہ جھجکے طرۂ تاجِ شہاں سے
نہیں کچھ تجھ کو خوفِ شانِ سلطاں — اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں
کسی کا طرۂ طرّار چھیڑا — کسی کا برقعِ زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے
تری شوخی و چالاکی بجا ہے

اسمٰعیل

۴۹- گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا
اور کھول رہا تھا آبِ دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں
اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے
اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے
اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ
ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست
گھڑیال تھے رود بار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا
بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں
اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ
تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

طوفان تھے آندھیوں کے برپا
اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے
شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پانی کی جگہ برستی تھی خاک

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ بادِ سموم سے سوا تھی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک
ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی — تہ خانہ میں منھ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان — آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات — بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہاتھ
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا — یا پیاؤ یا سبیل پر تھا
پانی سے تھی سب کی زندگانی — میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی — فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
تھے جو خفقانی اور حراقی — گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنھیں مزہ کچھ — آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بن کھائے کئی کئی دن اکثر — رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے — مر پیٹ کے صبح تھے پکڑتے
بچوں کا ہوا تھا حال بے حال — کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کے پیاس سے دم — تھے پانی کو دیکھ کرتے مُم مُم
پانی دیا گر کسی نے لا کر — پھر چھوڑتے تھے نہ منھ لگا کر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری
پانی سے نہ تھی کسی کو سیری

کل شام تلک تو تھے یہی طور
پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور

پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اِک شور ہے آسماں پہ برپا

حالی

۵۰۔ گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ،
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ

چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ
لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ

زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے
کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے

درودیوار ہیں گرمی سے تپتے
بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے

پرندے اُڑتے ہیں پانی پہ گرتے
چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے

درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں

جنگل

غریبو! کچھ غریبوں کے مکاں کی | زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ | ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

اسمٰعیل

۱۵۔ شبِ گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت | وہاں آکے بیٹھا وہ فرخندہ بخت
لگا سامنے آکے دستر خواں | ہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں
فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب | بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب
برابر برابر بچھے تھے پلنگ | پڑیں چادریں اُن پہ تھا ایک رنگ
فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے | ستارے تمام اُن پہ بکھرے ہوئے
چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا | کہ سورج کا منھ کر دیا ماند تھا
اِدھر چاندنی نور پھیلا رہی | سیاہی اُدھر رنگ دکھلا رہی
وہ چھائی ہوئی رات تاروں بھری | کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری

پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا ۔ کہ بیٹھا تھا شکّر لپیٹا ہوا ۔ جلد اوّل
پدر تھا جو تاریخ کا راز داں ۔ سناتا تھا ہر دم نئی داستاں
دیا یہ مزہ اِن حکایات نے ۔ کہ انگڑائی گردوں پہ لی رات نے
ہوا آ کے پنکھا ہلانے لگی ۔ ہر اک کو غرض نیند آنے لگی
تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے ۔ دوپٹے لیے تان اور سو رہے
بیاں کیا کروں رات کی شان کا ۔ زمانہ میں عالم ہے سنسان کا
پڑا نیند میں مست سارا جہاں ۔ نہ تھے چوریاں نہ تھے پاسباں
پڑے سوئے سب ایسے مدہوش تھے ۔ کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے
درختوں میں تھیں جو گزرتی ہوائیں ۔ زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں
شبِ تار بھی نیند میں آن کر ۔ سیہ چادر اپنی پڑی تان کر
ہمیشہ زمانہ کا دستور ہے ۔ اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے
کہ چمکا ستارہ سحرگاہ کا ۔ ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا
ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں ۔ تعجب سے مشرق کو تکنے لگیں
شبِ تار کا رنگ فق ہو گیا ۔ چراغِ سحر یاں بجھی ہو گیا
سحر کے جو عالم نمودار تھے ۔ دھوئیں اُڑ رہے تھے شبِ تار کے

جلد اُڑ کر لگے بولنے سب سحر کے طیور ۔ گئی اِن کی آواز نزدیک و دور
وہ لڑکا تھا جو بسترِ خواب میں ۔ ستارہ ہو جوں جادرِ آب میں
اُٹھا کر کہا اُس نے تکیہ سے سر
سلامٌ علیکم مُبارک سحر

آزاد

۵۲۔ جاڑا اور گرمی

ایک دن جاڑے نے گرمی سے کہا ۔ میں بھی ہوں کیا خوب موسم واہ وا
ہے بجا گر کیجیے میری صفت ۔ ہے روا گر کیجیے میری ثنا
میں جہاں میں ہوں زبس ہر دل عزیز ۔ مانگتے ہیں میرے آنے کی دعا
میرے آنے سے نہ کیوں ہو خرمی ۔ کیا خنک پانی ہے کیا ٹھنڈی ہوا
چاندنی ہے بے کدورت بے غبار ۔ آسماں ہے صاف نیلا خوشنما
رات گرمی کی تو کچھ ہوتی نہ تھی ۔ دن کی محنت سب کو دیتی تھی تھکا
میری آمد نے کیا شب کو دراز ۔ میرے آنے نے دیا دن کو گھٹا
تو مسافر کا جھلس دیتی تھی منھ ۔ اور زمیں تلووں کو دیتی تھی جلا

جلد اوّل

اب ہوا بھی اور زمیں بھی سرد ہے
کھو دیا میں نے حرارت کا پتا

مل گئی کتنے بکھیڑوں سے نجات
ٹٹیاں موقوف پنکھا چھٹ گیا

دھوپ کا ڈر ہے نہ لو کا خوف ہے
اِن دنوں کی دھوپ ہے گویا غذا

سورج اب کترا کے جاتا ہے نکل
فصلِ تابستاں میں تھا سر پہ چڑھا

ہے حضر میں آج کل عیش و نشاط
ہے سفر بھی ان دنوں راحت فزا

میرے دم سے تندرستی بڑھ گئی
پائی مدت کے مریضوں نے شفا

ڈاکٹر صاحب کو فرصت مل گئی
اب شفا خانہ میں ہے کم جھمگٹا

ضعفِ معدہ کی شکایت مٹ گئی
بے دوا خود بڑھ گئی ہے اشتہا

مکھیاں بھی رہ گئی ہیں خال خال
بے تکلف اب ہے کھانے کا مزا

گرم پوشاکوں نے اب پایا رواج
میں نے بخشا آن کر خلعت نیا

سل گئے توشک لبادے اور لحاف
درزیوں نے پایا محنت کا صلہ

میرے ہوتے کون پوچھے برف کو
باسی پانی برف کا بھی ہے چچا

ندی نالوں کا گیا پانی نتھر
جھیل اور تالاب نے پائی صفا

طالب علم اب کرینگے کوششیں
کوششوں سے ہوگا پورا مدعا

ٹھیک وقت اِن ورزشوں کا ہے یہی
تندرستی کا ہے جن سے فائدہ

جلد اوّل حاکموں نے کر دیا دورہ شروع
تا کریں دردِ رعایا کی دوا

جا بجا فوجیں ہوئی ہیں مجتمع
تاکہ میداں میں کریں مشق وَغا

سیب، نارنگی، بہی، لیمو، انار
میوہ ہر اک قسم کا بکنے لگا

تخم ریزی جنسِ اعلیٰ کی ہوئی
کھیت میں بویا گیا گیہوں چنا

عید کی سی دھوم ہے دیہات میں
پک گئی ایکھ اور کولھو چل پڑا

ہے مٹھائی کی نہایت ریل پیل
چل رہی ہے آج کل میٹھی ہوا

اُنس ہے محنت مشقت سے مجھے
کاہلی کو میں نہیں رکھتا روا

محنتی ہیں مجھ سے خوش میں اُن سے خوش
کاہلوں کا میں نہیں ہوں آشنا

سُن کے یہ باتیں ہوئی گرمی بھی تیز
اور جل کر یوں جواب اُس کو دیا

آپ اپنے منہ میاں مٹھو نہ بن
خودستائی عیب ہے اے خودستا

اُس کو ہوتا ہی نہیں حاصل کمال
جو کہ اپنے آپ کو سمجھے بڑا

باہنر تو سرکشی کرتے نہیں
بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جھکا

تیری خود بینی ہوئی تجھ کو حجاب
خوبیوں کو میری سمجھا بد نما

تجھ سے عالم میں خزاں کا ہے ظہور
مجھ سے ہی فصلِ بہاری کی بنا

تو نے شاخوں کے لیے پتّے کھسوٹ — تو نے پیڑوں کو برہنہ کر دیا
میرے آنے سے پھلے پھولے شجر — سبز پوشاک اُن کو کی میں نے عطا
میں نے شاخوں میں لگائے برگ و بار — ورنہ کیا تھا اِن میں ایندھن کے سوا
کھیت جاڑے بھر تو کچّے ہی رہے — ہاں مگر میں نے دیا اِن کو پکا
تو نے رکھے تھے بخیلوں کی طرح — برف کے تودے پہاڑوں میں چھپا
میں نے پگھلا کر کیا تقسیم اسے — تاکہ پہنچے سب کو فیض و فائدہ
خشک چشمے بھر گئے دریا چڑھے — دیکھ لے میرا کرم میری سخا
تجھ سے تھی مخلوق میں افسردگی — کون خوش تھا جز گروہِ اغنیا
میری آمد نے مساوی کر دیئے — راحت و آرام میں شاہ و گدا
کر دیا میں نے رگوں میں خوں رواں — ٹھنڈ سے شل ہو گئے تھے دست و پا
میں نے کھولے آن کر تن کے مسام — کیونکہ تھا رکتا پسینہ کا بُرا
پھینک دی اب دلقِ کہنہ خلق نے — غلغلہ جو میری آمد کا سُنا
رات بھر رہتی تھی خلقت گھر میں بند — کر دیا اِس بند سے میں نے رہا
میں نے حکمت سے چلائیں آندھیاں — تا بدل جائے مکانوں کی ہوا
میں سمندر سے اُٹھاتی ہوں بخار — جس سے چھا جاتی ہے ملکوں پر گھٹا

چہرۂ گردوں کا یہ گرد و غبار ابر کے آنے کا دیتا ہے پتا
رات پر دن کو نہ کیوں ترجیح دوں رات ہے تاریک دن ہے پُر ضیا
ہے ہمیشہ ابتدا میری بہار ہے سدا برسات میری انتہا
تھیں بہت دونوں کی تقریریں دراز اور طولانی بیانِ ماجرا
سن کے اِن دونوں کی یہ کج بحثیاں ایک دانا نے کیا یوں فیصلہ
کچھ نہیں ہے اس میں جاڑے کا قصور کچھ نہیں ہے اس میں گرمی کی خطا
جب حقیقت پر نہیں ہوتی نظر یوں ہی رہتا ہے بہم شکوہ گلا
ہے حرارت کی کمی بیشی فقط
ورنہ جاڑا کون اور گرمی ہے کیا

اسمٰعیل

۵۳- خدا کی صنعت

جو چیز خدا نے ہے بنائی ظاہر ہے اس میں خوش نمائی
کیا خوب ہے رنگ ڈھنگ سب کا چھوٹی بڑی جس قدر ہیں اشیا
ہر چیز کی ہے ادا نرالی حکمت سے نہیں ہے کوئی خالی

ننھی کلیاں چٹک رہی ہیں
چھوٹی چڑیاں پھدک رہی ہیں

اس کی قدرت سے پھول مہکے
پھولوں پہ پرندے آکے چہکے

چڑیوں کے عجیب پر لگائے
اور پھول ہیں عطر میں بسائے

چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز
پھولوں کا جدا جدا ہے انداز

محلوں میں امیر ہے بآرام
ہے در پہ کھڑا غریب ناکام

ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج
بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج

روزی دونوں کو دی خدا نے
معمور ہیں قدرتی خزانے

دن کو بخشی عجب صفائی
تاروں بھری رات کیا بنائی

موتی سے پڑے ہوئے ہیں لاکھوں
ہیرے سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں

کیا دودھ سی چاندنی ہے چھٹکی
حیران ہو کر نگاہ ٹھٹکی

تارے رہے صبح تک نہ وہ چاند
آگے سورج کے ہو گئے ماند

نیلا نیلا اب آسماں ہے
وہ رات کی انجمن کہاں ہے

شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا
پھر صبح نے کر دیا اجالا

جاڑا، گرمی، بہار، برسات
ہر رت میں نیا سماں نئی بات

جاڑے سے بدن ہے تھرتھراتا
ہر شخص ہے دن میں دھوپ کھاتا

سردی سے ہیں ہاتھ پاؤں ٹھٹھرتے — سب لوگ الاؤ پر ہیں گرتے
سرسوں پھولی بسنت آیا — سب نے پھاگن کا راگ گایا
پھوٹیں نئی کونپلیں شجر میں — اک جوش بھرا ہوا ہے سر میں
جاڑے کی جو رُت پلٹ گئی ہے — دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے
گرمی نے زمین کو تپایا — بھانے لگا ہر کسی کو سایا
برسات میں دَل ہیں بادلوں کے — ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے
رَو آئی ہے زور شور کرتی — دامانِ زمین کو کترتی
کس زور سے بہ رہا ہے نالہ — اونچے ٹیلہ کو کاٹ ڈالا
بَل کھا کے ندی نکل گئی ہے — رُخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس — بستی ہے بسی اُجاڑ کے پاس
بستی کے اِدھر اُدھر ہے جنگل — جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اُگائے — باغوں میں اسی نے پھل لگائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی — دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سبزے سے ہرا بھرا ہے میداں — اونچے اونچے درخت ذی شاں
روشن یہ آنکھیں بنائیں دو دو — قدرت کی بہار دیکھنے کو

ہر شے اس نے بنائی نادر
بیشک ہے خدا قوی و قادر

اسمٰعیل

۴۵ - خدا کی کاریگری

تعریف اُس خدا کو جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا

پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی
اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا

مٹی سے بیل بوٹے کیا خوشنما اُگائے
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا

خوش رنگ اور خوشبو گل پھول ہیں کھلائے
اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا

میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے
چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں دہاں بنایا

سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی
کیا خوب چشمہ تو نے اے مہرباں بنایا

سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی
رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا

پیاسی زمیں کے منہ میں مینہ کا چوایا پانی
اور بادلوں کو تو نے مینہ کا نشاں بنایا

یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی
قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا

تنکے اُٹھا اُٹھا کے لائیں کہاں کہاں سے
کس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا

اونچی اُڑیں ہوا میں بچّوں کو پر نہ بھولیں　　ان بے پروں کا ان کو روزی رساں بنایا
کیا دودھ دینے والی گائیں بنائی تونے　　چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوشنما بنایا
رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر　　ان نعمتوں کا مجھکو پھر قدرداں بنایا
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تونے　　مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تونے کب رائیگاں بنایا

اسمٰعیل

۵۵- ہندوستان کے پھول

فصلِ بہاری آئی چمن میں　　پھول کھلائے دشت و دمن میں
قدرت کی یہ رنگ آمیزی　　سبزہ و گل کی رستاخیزی
گلِ عباس کی یہ رنگینی　　بوشبو کی بھینی بھینی
کہیں ہے لالہ کہیں ہے خیری　　کہیں ہے گیندا کہیں دوپہری
مدن مست کی بو متوالی　　مولسری کی باس نرالی
جاہی جوہی اور چنبیلی　　چنپا کی خوشبو البیلی

ساونی اپنے رنگ میں ماتی ادھر مالتی ہے اتراتی
دونا مروا اور ہزارا رنگ اشرفی سب سے پیارا
نافرمان اور گل داؤدی رنگت زرد سنہری اودی
ٹیسو پھولا جنگل دہکا کیوڑے سے سارا بن مہکا
تالابوں میں کنول کھلا ہے
اور سنگھاڑا خوب پھلا ہے

علائی کنتوری

دیگر

ہے اس مملکت کی عجب گل زمیں کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں
دلِ بستہ دیکھ ان کو ہو باغ باغ جو سونگھے تو بھر جائے بو سے دماغ
گندھے ہیں گندھے گروہ محفل میں آئیں تو مجلس کو عالم چمن کا بنائیں
کروں وصف کیا موگرے کا بیاں کہ اک اک کلی اس کی ہے عطر داں
خوش آیند ہے نکہتِ رائے بیل رہے بزم میں اس کی نت ریل پیل
بہت موتیا کی پیاری ہے بو ہر اک گل سے اس کی نیاری ہے بو

نو اڑے کی از بس کہ میٹھی ہے بُو
دلوں کو وہ مقبول کیوں کر نہ ہو

جُدا سب سے دوپہریا کا ہی روپ
کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہی دھوپ

گلوں سے نرالا ہے گُل چاندنی
چمن کا اُجالا ہی گُل چاندنی

ہر اِک گُل کا ہی رنگ و عالم جُدا
نہیں لُطف سے کوئی خالی ذرا

جسے دیکھئے ہر طرح خوب ہے
طبیعت کو ہر اک کی مرغوب ہی

ہوئے سستے یوں تا کہ پہنے منگا
زنِ بے نوا و زنِ بادشاہ

جو عالم دکھاتے ہیں مُڑی کے پھول
وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول

؟ سرشتی انیس

۵۶۔ کنجِ عزلت

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے ہوں گریزاں دل ڈھونڈتا ہی میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہی میری
دامانِ کوہ میں اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذّت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ | پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا | ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں | ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ | پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو | سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کے چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم | امّید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی مؤذن | میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں | روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے | رونا مرا وضو ہو نالہ مرا دعا ہو
دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو | سرسبز جن کی نم سے بوٹا امید کا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے | تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

اقبال

آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہو سبزہ — پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
گُل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا — ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں — ندّی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ — پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — اُمّید اُن کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
پچھلے پہر کی کوئل وہ صُبح کی مؤذن — میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں — روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے — رونا مرا وضو ہو نالہ مرا دعا ہو
دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو — سرسبز جن کی نم سے بوٹا اُمید کا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے — تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید اُنھیں جگا دے

اقبال

۵۷۔ باغ

دیا شہ نے ترتیب اِک خانہ باغ ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت میں خوبی دروں کی وہ شان لگے جس میں زربفت کے سائبان
چھتیں اور پردے بندھے زرنگار دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش کی ڈوریاں سربسر کہ ماہ کا بندھا جس سے تارِ نظر
چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
سنہری مغرق چھتیں ساریاں وہ دیوار اور در کی گُل کاریاں
دیئے ہر طرف آئینے جو لگا گیا چوگنا لطف اُس میں سما
وہ مخمل کا فرش ایسا ستھرا کہ بس بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
رہیں نخلے اِس میں روشن مدام معطّر شب و روز جس سے مشام
چھپر کھٹ مرصّع وہ دالان میں چمکتا دمکتا تھا ہر آن میں
زمیں پر تھی اس طور اس کی جھلک ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
زمیں کا کروں اس کی کیا میں بیاں کہ صندل کا اِک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگِ مرمر کی چوپڑ کی نہر		گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

کھڑے تھے قرینے سے سرو سہی		ذرا دور دور ان سے سیب و بہی

کہوں کیا میں کیفیتِ داربست		لگائے ہیں تاک واں مے پرست

ہوائے بہاری سے کچھ لہلہے		چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زمرّد کی مانند سبزہ کا رنگ		روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار		گلِ اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے ہرا باغ گل سے چمن		کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا		کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخِ شبّو کے ہر جا نشان		مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغوان اور کہیں لالہ زار		جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں		سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار		کہ ہر اک سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چنپا کے جھاڑ		کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ

کہیں زرد نسریں کہیں نسترن		عجب رنگ کے زعفرانی چمن

پڑا آبِ جو ہر طرف کو بہے		کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا اُسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر نشے کا سا عالم گلستان پر
لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے
کہیں تخم پاشی کریں گود کر پنیری جماویں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لبِ جو پہ آئینے میں دیکھ قد اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو دماغوں کو لیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن آتشِ گل سے دہکا ہوا ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول
وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں لگی جائیں آنکھیں لیے جن کا ناؤں
خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں تعشّق سے آپس میں باتیں کریں
درختوں نے برگوں کے کھولے ورق کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق
سما قمریاں دیکھ اس آن کا پڑھیں باب پنجم گلستان کا

میر حسن

۵۸- باغ

دیکھا اک باغ کہ قدرت نے لگایا ہے وہاں گلِ خود رو نے عجب جلوہ دکھایا ہے وہاں
مخملِ سبز سے ہے سبزۂ تر با انداز رنگِ گل اس پہ دکھاتے ہیں تماشا انداز
بر سرِ کوہ جو پانی کا ہے چشمہ جاری نہر بن بن کے دکھاتا ہے عجب سرشاری
آب یوں سر ہے بدامانِ جبل مار رہا سانپ سیماب کا ہو جیسے کہ بل مار رہا
سنگِ مرمر کی لبِ آب جو اک سل ہے پڑی اس پہ اک رشکِ پری ہاتھ میں پھولوں کی چھڑی
رنگ سرخ کو گلِ رخسار سے چمکائے ہوئے بیٹھی اک پاؤں کو پانی میں ہے لٹکائے ہوئے
اس پہ ہے چھتر کی جا سایہ فگن سبز نہال
پھول برساتی ہے پہلو میں کھڑی بادِ شمال

آزاد

۵۹- باغ بنگلہ

باغ ہے پر عجب ہے یہ روداد
نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد

گُل ہیں سب اپنے اپنے جوبن پر
بوئے گُل ہے صَبا کے توسن پر

ہے عجب پُر شگوفہ و پُر گُل
باغ رنگین جس سے ہے بالکل

ہے عجب لطف پر بہارِ چمن
جھومتے ہیں کھڑے نہالِ چمن

سبزہ یک جا پہ لہلہاتا ہے
پیچ سنبل کہیں یہ کھاتا ہے

مالتی کھل رہی جو ہر سو ہے
کچھ عجب بھینی بھینی خوشبو ہے

آب پاشی سے سبزہ لائقِ دید
سبز مخمل پہ جیسے مروارید

پُھول اک ایک اس میں بوقلمون
ہو جسے دیکھ آدمی کو جنون

وہ سُہانا سُہانا وقتِ زوال
لطف گلشن سے ہر شجر ہے نہال

باغ چھوٹا سا پیارے پیارے چمن
گل تو گل پتی پتی یہ جو بن

بیچ میں بنگلہ ایک ہے خس کا
فرش جس میں تمام اطلس کا

چار جانب سے آتی ہے خوشبو
کہیں جوہی کِھلی کہیں شبّو

ہر چمن پر نئی طرح کی بہار
پھولا اک سمت کو ہے ہار سنگھار

سب چمن اپنے اپنے رنگ کے ہیں — پھول کچھ چین کچھ فرنگ کے ہیں
قفس طائرانِ تیز زبان — ہیں قرینوں سے اپنے آویزاں
گل جو چاروں طرف مہکتے ہیں
مست ہو ہو کے سب چہکتے ہیں

مرزا شوق

۶۰- آرائش باغ

نظر آیا دونوں کو اک خانہ باغ — کہ بلبل کا دل جس کی فرقت میں داغ
مُصفّا وہ نہر اس میں اک بے عدیل — کہے تو کہ ہو موجزن سلسبیل
ہزاروں سے یوں اس کے پانی رواں — کہ برسائے مینہ جس طرح آسماں
تھی سرسبز برچھیوں میں مہندی جہاں — وہ گویا زمرد کی تھیں ٹٹیاں
تھی سوسن کی رنگت اس اسلوب کی — خجل جس سے مستی ہو محبوب کی
شجر اس کے تھے سب کے سب باثمر — قرینوں سے سب کچھ ادھر کچھ اُدھر
روش صاف صاف آئینہ کی مثال — شجر وہ کہ گلچیں ہو جس سے نہال
ہوا کے وہ جھونکے عجب سرد سرد — کہ کشمیر کا تختہ جس سے ہو زرد

وہ انگور کی ایک طرح دار بیل
جوانوں کو مستی ہو لڑکوں کو کھیل

وہ بلبل کے نالوں کی ہر سمت دھوم
وہ ہر سرو پر قمریوں کا ہجوم

وہ نہروں کا پانی چھلکتا ہوا
پھرے مست جیسے بہکتا ہوا

درختوں پہ بیٹھے ہوئے وہ طیور
دلوں کو ہو جن کی صدا سے سرور

پپیہے کی آواز لیتی تھی جان
وہ کہتا تھا چلّا کے جب پی کہاں

تھی حالت عجب جانِ مایوس کی
صدا جب کہ آتی تھی طاؤس کی

عجب دل پہ ہوتا تھا وحشت کا زور
منڈیروں پہ جب رقص کرتے تھے مور

مرزا شوق

۶۱۔ بہارِ چمن

مجھ کو نہ دے ہمصفیر مژدۂ فصلِ بہار
آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار

یاد ہے وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں
آہ وہ طرفِ چمن اور وہ سر شاخسار

لالۂ حمرا کا رنگ اور وہ سبزہ کا روپ
گوہرِ شبنم کی آب شاہدِ گل کا سنگار

رنگ شفق کی نمود، نورِ سحر کا ظہور
چرخ کی نیرنگیاں، شام و سحر آشکار

ابرِ سیہ کا ہجوم، اور وہ مینہ کا وفور　　رعد کا وہ زور شور، اور وہ چمک بار بار
غنچۂ لب گفتہ کی، چار طرف وہ مہک　　جیسے کوئی کھول دے، نافۂ مشکِ تتار
گُل بہ سرِ شاخسار، یوسفِ مصرِ چمن　　سرو لبِ جوئبار، مثلِ خضر آبدار
باغ کی سرسبزیاں، نخل کی سیرابیاں　　پھول کی شادابیاں، ابرِ بہار آببار
موج ہوا سے درخت، ہلتے ہیں یوں باغ میں　　جیسے کہ دو سبزہ پوش، لطف سے ہوں ہمکنار
دیدۂ نرگس ہے یوں، شاہدِ گُل کی طرف　　جیسے کوئی منتظر، محوِ تماشائے یار
باغ میں گلچیں کو دخل، اور نہ صیاد کو　　رحمتِ پروردگار، چار طرف تھی حصار
ہم سے نہ تھا باغباں، برسرِ کین و فساد　　اپنی طرف سے نہ تھا، دل میں کچھ اس کے غبار
وہ زرِ گل کی دمک، جس پہ ہو کُندن فدا　　قطرۂ شبنم کی آب جس پہ ہو گوہر نثار
طبع کی صنعت گری، پر نہ ہوا فوق کچھ　　سونے کا زیور بہت، لائے بنا کر سنار
لالۂ احمر تھا وہ، یا کہ عقیقِ یمن　　موتیا کی تھی کلی، یا کہ دُرِ شاہوار
دیکھ کے یہ رنگ ڈھنگ، کہنے لگے جوہری　　گل ہے ہر اک زنگار، باغ جواہر نگار
نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا　　آئی نسیمِ سحر، باغ میں مستانہ وار
آئی نسیمِ سحر، باغ کو جنبش ہوئی　　ہلنے لگے سب درخت، گرنے لگے برگ و بار
یوں دہنِ غنچہ سے قطرۂ شبنم گرے　　دودھ اگلنے لگے، جیسے کوئی شیرخوار

آئی کسی شاخ سے، ایسی سُریلی صدا — جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار
بھیرویں اُڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف — تانیں اُڑانے لگے، اونچے سُروں میں ہزار
جنبشِ بادِ سحر، پھونک دے سارا چمن — ہر طرف اُڑنے لگے، آتشِ گُل سے شرار
جمع کیے صبح نے، ایک ہی جا نار و نور — پرتوِ خور محض نور، آتشِ گُل محض نار
چشمۂ خورشید سے، نور برسنے لگا — آتشِ گُل سے اِدھر، بن کے اٹھا اک غبار
سرد ہوا میں ہوئے، جبکہ بخارات جمع — پھر تو دھواں دھار مینہ، پڑنے لگا ایک بار
وہ چمن اور آبجو، اور وہ ابرِ سیاہ — روم و حلب پر محیط، ہے سپہِ زنگبار
مینہ کے برس جانے سے، دھوئے گئے سب درخت — نام کو بھی باغ میں، اب نہیں گرد و غبار
شاخ پہ اس طرح سے، شاہدِ گُل جلوہ گر — جیسے زمرّد کے تخت پر ہو کوئی شہریار
ایک طرف نسترن، ایک طرف یاسمن — ایک طرف ارغواں، ساری ہیں خدمت گزار
اور بھی خادم کئی، سامنے موجود ہیں — جن کو اشارے کیے، چلتے ہیں سب کاروبار
ہے کوئی زرّیں کمر، اور کوئی زرّیں کلاہ — ہے کوئی سیمیں بدن اور کوئی سیمیں عذار
لالۂ گُل کی نمود، کب ہے لبِ آبجو — آئینے میں دیکھتا، ہے چمن اپنی بہار
شاخ سے اکثر گرے، پھول مہکتے ہوئے — نہر کا پانی تمام، ہو گیا عطرِ بہار
بحرِ ظلمات میں سبز پری غوطہ زن — عکس ہے شمشاد کا، نہر میں یوں آشکار

چار گھڑی دن رہی، کا وہ سہانا سماں — شام اودہ شگفتہ، صبح بنارس نثار
مہجِ ہوا سرد سرد، رنگِ شفق سُرخ زرد — لالۂ گُل کا بناؤ، سرو وسمن کا سنگھار
عارضِ گلگوں سے شوخ، رنگِ گلِ سُرخ کا — نشترِ مژگاں سے تیز، باغ کا ہر ایک خار
دھوپ کی زردی کا رنگ، گنبدِ نیلی کا رنگ — دونوں ملے اس طرح، سبزہ ہوا آشکار
سایہ درختوں کا یوں، صفحۂ گلزار پر — جس سے کہ عکسِ شبیہ، باغ کی ہو شرمسار
عکس فگن ہوکے شاخ، شے یہ نظر کو فریب — دیدۂ نرگس میں ہی، سُرمۂ دنبالہ دار
گرتے ہیں یوں شاخ سی، پھول علی الاتصال — تارِ نظر سے نگاہ، گوندھ لے پھولوں کا ہار
دیکھ کے گلنار کو، کہنے لگا باغباں — پھولوں کا گہنا پہن، کر نکل آئی بہار
برگ ہر اک سبز سبز، پھول ہر اک سرخ سرخ — مرغِ چمن شاخ شاخ، چہچہہ زن بار بار
مرغِ چمن مل کے سب، نغمہ سرا جس طرح — کوک دی ارگن کوئی، اور الاپے بہار
سامنے ہی مہر و مہ، دیکھئے صنعِ الٰہ — جیسے دو آئینہ رو، ہوئیں کسی جا دوچار
ایک کو سکتہ سا ہی، ایک کو حیرت سی ہی — دیکھ کے ایک ایک کو، دونوں ہیں آئینہ وار
ایک کا منہ زرد ہی، ایک ہی بے نور سا — دیکھ کے گُل کا سنگھار، اور چمن کا نکھار
رنگِ گلِ نیلوفر، گنبدِ نیلوفری — دیکھ کے گردش میں ہی، جیسے کوئی بیقرار
صبح کا عالم کچھ اور، شام کا عالم کچھ اور — صبح ہی کافور بیز، اور شب مشکبار

صبح سنہری ورق، شام روپہلی ورق فیضِ مہ و آفتاب، شام و سحر آشکار
رات کی وہ چاندنی، اور وہ گُل چاندنی جس سے شبِ ماہ کی، ہوتی ہے دونی بہار
دیکھ کے گُل چاندنی، ہوتا ہے سب کو یقین چادرِ مہتاب کے، کترے ہیں گُل بے شمار
کرمکِ شب تاب کا، ہے یہ چمن میں ہجوم تاروں بھری رات بھی، جس سے کہ ہو شرمسار
ہے گُلِ شب بو کی شاخ، شمعِ شب افروزِ باغ اور یہ اس شمع کے، گرد ہیں پروانہ وار
باغ میں دیکھو جہاں، ان کی چمک ہے عیاں آتشِ گُل سے مگر، اُڑتے ہیں پیہم شرار
ہے وسطِ گُل میں یہ، ان کے سبب سے ظہور دائرے میں جیسے ہو، مرکزِ گُل آشکار
بسکہ ہر اک برگ پر، آگ سی ہے اک لگی ہوتا ہے ہر نخل پر، سب کو گمانِ چنار
سارے چمن میں یہی، سرو و سمن میں یہی دیدۂ نرگس میں نور، آتشِ گُل میں شرار
رات کی خاموشیاں، رات کی تاریکیاں رات کی وہ راحتیں، صبح کا وہ انتظار
باغ کی آرائشیں، باغ کی زیبائشیں موجِ ہوا تازہ کار، رنگِ شفق غازہ دار
نکہتِ گُل عنبر بیز، آتشِ گُل مشک بیز نکہتِ گُل عطر بار، آتشِ گُل شعلہ بار
بوئے گُل عنبر سرشت، سایۂ گُل مشکِ ناب سنبلِ پیچاں کے پیچ، نافۂ مشکِ تتار
طبعِ چمن عطر ساز، موجِ ہوا کار ساز غالیۂ مشک و عود، مجمرِ دود و بخار
دیکھئے جس نخل کو، باغ میں ہے بامراد طفلِ شگوفہ کو سب، کہتے ہیں ہے ہونہار

باغ کی کیفیتیں، دیکھ کے ہیں وجد میں　　چرخ و مہ و آفتاب، انجم و لیل و نہار
فرش سے تا عرش جو شے ہے وہ حیران ہے
قابلِ نظّارہ ہے، قدرتِ پروردگار

مرزا

۶۴۔ صحرا

سُہانا سہانا وہ صحرا وہ بَر　　کہ کوسوں نہ انسان آئے نظر
وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ جنگل کی چھَب　　وہ سبزی میں اک کوڑیالی پہ دوب
وہ گلہائے خوشبوئے صحرا تمام　　کہ خوش ہوں جسے دیکھکر خاص و عام
وہ چلکر کسی جا پہ کچھ آب کے　　وہ چرتے ہوئے جوڑی سُرخاب کے
وہ اک سمت پھرتی تھے سارس کے جفت　　جو ہوئے شکاری پکڑ لائے مفت
درختوں پہ صحرا کے بیٹھے طیور　　پر و بال سے جن کے بڑھتا تھا نور
صدائیں عجب تھیں عجب شور تھے　　پپیہے کہیں تھے کہیں مور تھے
وہ جھاڑی ہر اک جا نئے ڈھنگ کی　　وہ صحرا کی بوٹی نئے رنگ کی
وہ جھڑ بیریوں کے ہر اک جا پہ جھاڑ　　کسی جا خزاں اور کسی جا بہار

کسی جا پہ تال اور کسی جا پہ گاؤں　　کسی جا پہ ٹھنڈی ببولوں کی چھاؤں
کسی جا پہ بن مالتی کے شجر　　کہ جس بو سے تھی مست سب جانور
کہیں چیتے پاڑے چکارے ہرن　　بھرا جانوروں سے صحرا سے بن
کہیں بھیڑیے اور کہیں کچھ شغال　　کہیں گینڈے جنگلی بناتے ہیں ڈھال
کسی جا پہ چرتے ہوئے فیل مست
کہ ہوں کوہ جن کی بلندی سے پست

مرزا شوق

۴۳ صحرا

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں　　دل کو بہلانے یہاں آتا ہوں میں
دل کی آسائش یہاں پاتا ہوں میں　　تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں
گو نہیں مجھکو جنوں سودا نہیں
تجھ سے بڑھ کر جا کہیں صحرا نہیں
شہر ہے میرے لیے دشتِ جنوں　　دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
شعلہ زن ہے آتشِ دنیائے دوں　　رکھتی ہے دل کو سدا سیماب گوں

آہ پر تیری نسیمِ خوشگوار
ہے مجھے سرمایۂ صبر و قرار

ہیں قریب شہر کچھ باغ و چمن بیگماں ہے دلکشا جن کی پھبن
ہیں شگفتہ ان میں نسرین و سمن طائرانِ خوشنوا ہیں نغمہ زن

بلبل و گل کے مگر جھگڑوں کے خار
پہلوئے تسکین کو کرتے ہیں فگار

روبرو ہے ہر طرف ساری زمیں صاف آتا ہے نظر چرخِ بریں
آہ، جنگل کی فضائے دلنشیں کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں

گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر
مرکزِ ادوارِ عالم ہے بشر

ہے ترا ہر فصل میں منظر نیا دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا
سبز جوڑا ہے کبھی تن پر نیا لالہ و گل کا کبھی زیور نیا

سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے

تو ٹھکانا غم کے ماروں کے لیے امن کا گھر بیقراروں کے لیے

دل کی راحت دل فگاروں کے لیے الغرض ایسے ہزاروں کے لیے

دہر میں اک بے بدل ماوا ہے تو

جنت الماوا ہے یا صحرا ہے تو

محروم

۶۴ - جنگل کی رات

جنگل کی اندھیری رات سنسان بادل بھی گھرا ہوا پریشان

جھوکوں میں غضب کی سنسناہٹ شاخوں میں رگڑ بلا کی آہٹ

پیڑوں کا وہ ہولناک انداز شیروں کی وہ خوفناک آواز

شعلوں کا وہ خود بخود بھڑکنا پتّوں کا وہ جا بجا کھڑکنا

وہ بُوم کا ہو، وہ ہو کا عالم وہ وہم کی صورتِ مجسّم

او حُسن وہاں بھی جلوہ گر تو

جُگنو بن کر اِدھر اُدھر تو

شوق قدوائی

۶۵- کوہِ ہمالیہ

ہی ہمالہ پہاڑ سر جیون — جس کے اوپر تلے کھڑا ہی بن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہی چمن — سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
ہی ہر اک ڈھانگ اس کی پھلواری — سبز چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خود رو ہی اور اس کے پاس — لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے — پیڑ باہم کھڑے ہوئے ہیں ملے
کہیں ہی مالنا کہیں بیلا — کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے — سور ماؤں کا بن کے دنگل ہی
سرو شمشاد ہیں قطار قطار — ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور — ایک ہی جست میں وہ پہنچے دور
ہیں ترائی میں ہاتھیوں کے غول — کوئی پاگل ہے اور کوئی بجھول
شیر خونخوار شاہ ہی یاں کا — پاڑی چیتل کو خوف ہی جاں کا
بارہ سنگھے غریب بیچارے لتاڑ — سینگ ہیں اس کے جھاڑ اور جھنکار
وہ جو ہی بیچ میں بڑا ساگر — واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر

کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے | پھر ہمالہ پہ آکے چڑھتا ہے
کبھی دیتا ہے باندھ مینہ کا تار | کبھی کرتا ہے برف کی بھرمار
جا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی | کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی
واں سے چشمے بہت ابل نکلے | ندی نالے وہاں سے چل نکلے
سندھ و ستلج ہیں مغربی دریا | اور پورب میں ہیں جمن گنگا
ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں | جن میں بہتا ہے پانی الغاروں
پس سمندر سے جو رسد آئی | یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی
ہوا سرسبز ہند کا میدان | تیری حکمت کے اے خدا قربان
ہند کی سرزمیں ہے اُن ماتا | اور ہمالہ پہاڑ جل داتا
اے ہمالہ پہاڑ تیری شان | دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان
ساری دنیا میں ہے تو ہی بالا | پہنچے جب پاس دیکھنے والا
سامنے اک سیاہ دل بادل | دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
گھاٹیاں جن میں گونجتی ہے صدا | آبشاروں کا شور ہے برپا
دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے | گویا میدان کو ڈراتا ہے
ہے مرے دل میں یہ خیال آتا | کاش چوٹی پہ تیری چڑھ جاتا

واں سے نیچے کا دیکھا میداں | جن میں گنگ و جمن ہیں تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آتیں | دائیں بائیں کو صاف لہراتیں
اس تماشے سے جبکہ جی بھرتا | تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھتا بہار بڑی | گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی

پھر وطن میں جب آن کر رہتا
دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

اسمٰعیل

۶۶۔ شملہ

اقبال اک برس جو مرا آلج سر ہوا | شملہ میں مجھکو موسم سرما بسر ہوا
جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے | اور جو تھے ہوتے وہ یخ ہو کے جم گئے
دانان کوہسار میں سورج بھی لیٹ کر | دبکا لحاف برف میں منہ کو لپیٹ کر
دیکھو جدھر کو سب در و دیوار تھے سفید | باہر چلو تو دامن کہسار تھے سفید
تنہا تھے آگے جاڑے نے سب دور کر لیے | اور تھے درخت برف نے بلور کر دیے
اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا | گھر سے نکل کے آگے ٹہلتا چلا گیا

جلد اوّل

گھر گھر اُجالے تھے سرِ دیوار سامنے / دروازوں سے چراغ نمودار سامنے

خوشحال گھر اور ان میں خوشی بولتی ہوئی / باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی

تھے ہر طرف سے جاڑے کے ساماں پکارتے / تارے بھی اک کناری سے تھے آنکھ مارتے

سنسان جنگل اور یہ درختوں کی سائیں سائیں / چاروں طرف پہاڑ ہیں ہیں ڈرتی بلائیں

طوفانِ برف سر پہ کھڑا ہی تُلا ہوا / ہے یہ درہ کہ موت کا منہ ہی کھلا ہوا

تھی رات رنگ ابھی رُخِ عالم پہ پھیرتی / گہ مشک اُڑاتی تھی گہے عنبر بکھیرتی

کیا جانے ہم نکل کے کدھر کے کدھر گئے / دیکھا کہ جاڑے زور سے اپنے اتر گئے

موسم بھی معتدل ہے ہوا بھی لٹک گئی / خوشبو کا ہے یہ حال کہ دنیا مہک گئی

اور جانور ہیں رات کے آواز دے رہے / مل جُل کے ساتھ جیسے ہوں ساز دے رہے

پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آ رہیں / جو زیر و بم کے دور سے ہیں سر ملا رہیں

ناگہ فلک پہ دامنِ شب چاک ہو گیا / لبریز نور سے طبقِ خاک ہو گیا

منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا / گلگونہ لے کے سامنے رنگِ شفق ہوا

رُخِ سحر پہ شان تھی نور و ظہور کی / چاروں طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی

وہ گہری سبزیوں پہ گلِ تر کی لالیاں / اور اوس سے بھری ہوئی پھولوں کی پیالیاں

وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا / اور جھوم جھوم کر وہ رُخِ گل کا چومنا

سبزی جو رُوئے خاک پہ مخمل بچھا گئی — شبنم بھی آ کے رات کو موتی لُٹا گئی

پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھانس پہ لہرا کے جاتے تھے

آزاد

۶۷۔ روانیِ دریا

وہ سودی سخن گوئے شیریں مقال — جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال
لکھی اس نے ہی نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکلِ روانیِ آب
جو بہتا ہے پانی میانِ لڈور — اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — مُقفّٰی کیے ان کے سب سلسلے
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانیِ دریائے فکر — کہ گوہر شناسی میں ہو جس کا ذکر
عجب ہی نہیں ان کی اس پر نظر — کُجا میں کُجا سودیِ نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا بر ملا — غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا
چھلکتا ہوا غل مچاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا — یہ لہروں کو باہم نچاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا — ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا — بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ — وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا — تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا

لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا   یہ چھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا   اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا   دباتا ہوا اور لچتا ہوا
وہ رستے زمیں کو چھپاتا ہوا   وہ حنا کی کیسی بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا   ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا   ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا   نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
اچکتا ہوا اور اُڑتا ہوا   اٹکتا ہوا اور ٹھہرتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا   زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا   وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا   وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا
لپکتا ہوا دندناتا ہوا   امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا   سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا   حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا   شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں — بس اب کچھ نہیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودی کا سیلابِ آبِ لڈور

یہ بحرِ خیالاتِ اکبرؔ کا زور

اکبرؔ

۶۸ - گنگا جی

منظور نہیں ہے خوش بیانی — گنگا کی دکھاؤں گا روانی

گئو مکھ سے وہ آپ چل رہی ہے — بے ساختہ خود نکل پڑی ہے

کیا فیض رساں ہیں اس کی لہریں — جاری کر دیں تمام نہریں

کیا خوب ہے آن بان اس کی — ساحل پہ بھی ایک شان اس کی

پہلو میں کہیں بتوں کا جمگھٹ — ہے رشکِ ارم کہیں پہ پنگھٹ

جاتی ہے جدھر کو منہ اٹھائے — لاکھوں ہی کھڑے ہیں سر جھکائے

تیار ہے کوئی بہر اشنان — پوجا کے لیئے ہے کوئی حیران

سیندور کوئی ماتھے پر لگائے — چندن کی کوئی تلک جمائے

سر کوئی زمیں پہ دھر رہا ہے — ڈنڈوت ہی کوئی کر رہا ہے

کچھ سیر کو لوگ آرہے ہیں — منظر کا مزہ اٹھا رہے ہیں
ہے دل کو سرور آنکھ کو نور — گویا ہے اس میں سرمۂ طور
نیچر کا عجیب کھیل دیکھا — گنگا جمنا کا میل دیکھا
عاجز اس کے بیاں سے تحریر — ہوتے ہیں جہاں بہم بغل گیر
القصہ بڑھا یہاں سے پانی — اب قابلِ ذکر ہے روانی
اُچھلا کبھی دب کے سر اُٹھایا — اُبلا کہیں تھم کے سنسنایا
چلنا وہ کہیں مچل مچل کر — بہنا وہ کہیں سنبھل سنبھل کر
وہ شوکت و دبدبہ وہ صولت — وہ رُعب وہ داب اور سطوت
دب کے جانا کہیں دبانا — انداز و ادا کہیں دکھانا
دامن کو کہیں جھٹک کے چلنا — ساحل پہ کہیں ٹٹک کے چلنا
مڑتا ہے جہاں تو چھب دکھا کر — اُڑتا ہے جہاں غضب میں آکر
نکلا ہے جہاں تہاں پہ ہو کر — دھکّا ہے کہیں کسی کو ٹھوکر
بے خوف نڈر وہ شوخ بیباک — آزاد شریر و چست و چالاک
جلوہ ہر رنگ میں دکھایا — آیا جو سامنے بہایا

مقبول

۶۹ - دریائے بیاس

اے بیاس اے دلبرِ نازک ادائے کوہسار
حُسن کی تیرے مثالی ہیں کوئی دیکھے بہار
وہ تری سیماب گوں رنگت وہ جوبن کا نکھار
وہ تری مستانہ ہوجیں اور وہ جوشِ آبشار

روح را در وجد می آرد صدائے سازِ تو
دل بغارت مے برد طرزِ خرامِ نازِ تو

گنبدِ گردوں سے ٹکرائے پہاڑوں کے وہ سر
ہر طرف چھائے ہوئے ابرِ سیہ بن کر شجر
دور سے یوں چوٹیوں پر برف آتا ہی نظر
نور کے تڑکے ہو جیسے چاک دامانِ سحر

خندۂ دنداں نمائے شاہدِ رعناست ایں
یا بیاضِ روئے حورِ جنت الماواست ایں

اے عروسِ کوہ اے محبوبۂ زیبا نگار
چھینے لیتی ہی دلوں کو تیرے جوبن کی بہار
تیرے سبزہ کی کھبی جاتی ہی آنکھوں میں بہار
لالہ گل سے ترے شانِ خدا ہی آشکار

دلبرے با ایں چنیں خوبی کسے کم دیدہ است
سبزۂ مثلِ خطِ سبزِ تو کم روئیدہ است

وہ طرارے بھر کے بامِ کوہ سے آناترا — لڑکھڑا کر پتھروں سے وہ مچل جاناترا
منھ میں مستوں کی طرح وہ جھاگ بھر لاناترا — وہ مزاجِ نوجواں کی طرح بل کھاناترا

مست بے خود از غمِ ہر دو جہاں آزادۂ
گرچہ معشوقی چہ عاشق سر بصحرا دادۂ

وہ سہانا دامنِ دشت اور طرفِ کوہسار — جھنڈ وہ تیرے درختوں کے وہ تیرا سبزہ زار
اونچے اونچے وہ کنارے بیچ میں پانی کی دھار — جس طرح آغوشِ عاشق میں کوئی زیبا نگار

حسن را با عشق گوئی شیر و شکر کردہ اند
مہرِ خم بشکستہ اند و مے بساغر کردہ اند

دامنِ کہسار میں ہے شور تیرے ساز کا — گونجتا ہے دشت میں کھٹکا تری آواز کا
تیری موجوں میں ہے سناٹا پرِ پرواز کا — تیرے گرداوں میں عالم ہے طلسمِ راز کا

گرچہ ہستی خوب ہستی اے نگارِ شوخ و شنگ
رنگِ رُخ بشکستہ پشت سادہ ویانِ فرنگ

دامنِ صحرا میں کوہوں کی تری اٹھکیلیاں — سبزۂ تر پر وہ تیری چادرِ آبِ رواں
وہ کناروں پر مسلسل دونوں جانب جھاڑیاں — لہلہاتی دھان کی کوسوں تلک وہ کھیتیاں

نخلہا صف بستہ بر ساحل پئے دیدارِ تو

شاخہا خم گشتہ بہرِ بوسۂ رخسارِ تو

چاندنی رات اور نکھرا تیرا وہ بن کر دلہن ‏ چاند تارے کا تنِ سیمیں پہ تیرے پیرہن

چاند کا ٹیکہ وہ اور تاروں کی افشاں کی پھبن ‏ وہ جھمکڑا نور کا اور وہ بھبوکا سا بدن

کرمکِ شب تاب ساحل را چراغاں کردہ است

آتشِ بید و گلخن را گلستاں کردہ است

جلوۂ نورِ سحر اور وہ طلوعِ آفتاب ‏ وہ چمک کرنوں کی وہ چہرے کی تیرے آب و تاب

وہ قبا استبرقی پہنے ہوئے ہر موجِ آب ‏ وہ لیے تصویر سورج کی بغل میں ہر حباب

روشن از نورِ سحر دامانِ صحرا گشتہ است

موجِ حسن ستایں کہ متحرک بہ دریا گشتہ است

جھومتے بادِ سحر سے ہیں ترے بید و چنار ‏ آسماں سے کرتے ہیں باتیں درختانِ دیار

ہیں عیاں چھیلوں سے شانِ قامتِ رعنائی یار ‏ کم نہیں خوشبو میں کچھ صندل سے تیرے دیودار

آں بشارت نغمہ سنج و لالہ زارت جلوہ ریز

نخلہایت عنبر افشاں و ہوایت عطر بیز

وہ گلاب اُس رسیوتی کے پیڑ پھولوں سے لدے ‏ وہ چنبیلی کی قطاریں اور وہ بیلے کے پرے

پھول گیندے کے نہیں یہ سبزۂ تر میں کھلے ہیں سنہری گوکھرو دھانی دوپٹہ میں ٹکے

این ہمہ ہا گشت از فیضِ عمیمت بہرہ یاب
اکتسابِ نور کردن زرہ ہا از آفتاب

وہ ترے ساحل سے نظارے فضائے دشت کے وہ پہاڑوں کے برابر نیچے اونچے سلسلے
برف کی چادر سے وہ اونچی چوٹیاں اوڑھے ہوئے اور نشیبی سلسلے وہ سبزۂ تر سے ڈھکے

سر برآوردہ زسبزہ خانہ ہائے خوش بنا
ہمچو محبوبے کہ برآرد سر از زیرِ ردا

کامل

۷۰۔ طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا الٹا ہی تو نے تختہ یارانِ آشنا کا
اچھا کیا ادا حق ہمسائگی کا تو نے ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا
اک کاروانِ آصف اترا ترے کنارے او ناسپاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا
تیری ہر ایک ٹکر داعی بنی اجل کی تیرا ہر اک تھپیڑ قاصد بنا قضا کا
منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر سر پر ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا

تقدیر میں یہی ہے تدبیر رو رہی ہے
مورد ہو نا خدا کیوں الزام نا روا کا

شب ہے شبِ قیامت دن ہے حساب کا دن
وقت آگیا سزا کا عہد آگیا جزا کا

خالی اُمید کا گھر دروازہ توبہ کا بند
آئے اثر کہاں سے موقع نہیں دعا کا

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہیگا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہیگا

آندھی تھمی ہے بدلی چھایا ہوا ہے بادل
پاٹ اس قدر پڑا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل

ہے شب نے دن دہاڑے اندھیر ڈال رکھا
خورشیدِ خاوری ہے ابرِ سیہ کی اوجھل

اک بارگی گئے کھل گردوں کے سب دریچے
بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول

قدرت کی طاقتوں کو دستِ قضا ہے روکے
انساں کی کوششیں ہیں بے کار و معطل

غصہ کا ہے یہ عالم کف در دہاں ہے دریا
وقفِ شکن ہے ابرو ماتھے پہ ہیں پڑے بل

جوش و خروش اس کا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے
سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس مختل

ساحل پہ گھر ہیں جن کے وہ دل میں کہہ رہے ہیں
مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اوّل

پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو
جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بیکل

گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب
ہے آج کوچ اپنا ساماں چلا گیا کل

ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں
بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل

وان ہے جب اجل بھی پیاسوں کی تشنہ کامی — یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کا چھگل

محشر کا صُور پھونکا موسیٰ نے کو بکو ہے

شورِ نشور برپا بلدہ میں کو بکو ہے

واحسرتا وہ صدہا گھر بار کا اجڑنا — ہر نخلِ آرزو کی بنیاد کا اکھڑنا

وہ نقشۂ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا — کوہِ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا — سنگیں عمارتوں کا پانی کی طرح جھڑنا

وہ جسمِ بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا — وہ جانِ ناتواں کا کشتی قضا سے لڑنا

اس ہاتھ کا نہیں ہے جس میں کہ جان باقی — بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا

ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا — اور ضد سے اُس کے سینے پر ایڑیاں رگڑنا

بچہ کا ہاتھ آ کر پھر ماں سے چھوٹ جانا — زخمِ جگر کے ٹانکوں کا یک بیک اُکھڑنا

سب دل کے ولولوں کا پیوندِ آب ہونا — اک رات کی دُلہن کا نوشہ سے یوں بچھڑنا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا — اور ان کی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا

تھا فتنۂ قیامت اک سیلِ رودِ موسےٰ — من کر ترا محلہ بن کر ترا بگڑنا

کیوں ساتھ اپنے لے کر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سر منزلِ عدم کو

ظفر علی خان

۱۷- آبشار

سچ بتا اے کوہ و صحرا کے مسافر آبشار
ٹھوکریں کھاتا ہوا کس جا چلا ہے بے قرار

کیوں سراسیمہ ہے کیوں لڑکھڑاتی چال ہے
سیلِ اشکِ چشمِ تر کی طرح کیوں پامال ہے

تیرے دامن میں ہے دلکش سبزہ و گل کی بہار
میٹھی میٹھی بولیاں اور بلبلانِ کوہسار

دشت میں جاری ہیں سو نہریں ترے فیض کی
ذات تیری بہر صحرا وجہ شادابی ہوئی

چشمۂ حیواں ہے تو تشنہ دہانوں کے لیے
اور ہے رشکِ مسیح افسردہ جانوں کے لیے

سیل جو تیری ہے وہ چینِ جبینِ حور ہے
تجھ کو سب حاصل ہے پھر تو کس لیے رنجور ہے

ہائے کیوں پتھر سے ٹکراتا ہے سر کو بار بار
خاک پر تو لوٹ کر کیوں ہو رہا ہے بےقرار

رات دن تجھ کو تلاشِ بحرِ الفت تو نہیں
تو بھی میری طرح قیدِ بندِ آفت تو نہیں

تو کہاں اور جستجوئے بحرِ بے پایاں کہاں
دشت پیمائی بقدرِ کوششِ ارماں کہاں

آرزو مندیٔ وصلِ بحرِ ناپیدا کنار
این خیال ست و محال ست و جنوں اے آبشار

شباب

۷۲۔ آبشار

اونچے نیچے پہاڑ ٹیلے پھیلے ہوئے گول اور نکیلے
ٹیڑھے سیدھے نہال ان پر نازک بیلوں کے جال ان پر
بہنا کہیں اور کہیں ٹپکنا خورشید کے نور سے چمکنا
شفّاف وہ دھار اور وہ پتھر نکلی ہوئی مانگ جیسے سر پر
چوٹی پہ وہ برف کی صفائی چمکی جب دھوپ اُس پر آئی
ضو جنبشِ مہر سے عیاں تھی کیا کوندرہی ہیں بجلیاں سی
برف اس کی پگھل کے بہ رہی ہے
چاندی گل گل کے بہ رہی ہے

شوقؔ قدوائی

۷۳۔ فوّارہ

میرے فوارے عجب دلچسپ ہے تیرا سماں
یہ تری طبع رواں اور یہ ترا جوشِ نہاں

رات دن سانچے میں وہ موتی پہ موتی ڈھالنا
جھوشانِ باغِ رضواں پر وہ ڈورے ڈالنا

گوہر افشانی تری اور ہلکی ہلکی وہ پھوار
وہ شبابِ بلبل و گل اور وہ تیرا نکھار

وہ اکڑ کر دیکھنا اپنی جوانی کی بہار
وہ ترا انگڑائیاں لینا چمن میں بار بار

مضطرب موجِ ہوا پر تو بہت بے تاب ہے
تیری دھاریں جھومتی ہیں یا کہ نخلِ آب ہے

تو چمن کی روح ہے اور ہے فضا میں تیرا دور
اک بہارِ شادمانی ہے ہوا میں تیرا دور

طائر آتے ہیں ترے دامن میں پر کھولے ہوئے
عاشقِ شوریدہ سر بیٹھے ہیں سر کھولے ہوئے

تیرے دستِ گوہر افشاں کی یہ حالت دیکھ کر
جھولیاں گلشن نے پھیلا دیں سخاوت دیکھ کر

گوندھا موجِ ہوا پر موتیوں کے ہار کا
تیرے سر سہرا رہا ہی رونقِ گلزار کا

تیز ہو ہاں میرے فوّارے ذرا پھر تیز ہو
پھر جواہر خیز و گوہر بیز و گوہر ریز ہو

آتشِ گل کا جہاں کچھ بھی اشارا ہو گیا
اُڑ گیا موجِ ہوا پر یوں کہ پارا ہو گیا

تیرا جو قطرہ گیا گردوں پہ تارا ہو گیا
جب گرا آ کر زمیں پر دل ہمارا ہو گیا

سب غبارِ خاطرِ ناشاد تجھ سے دھل گیا
تیرا منظر اِک طلسمِ دل فریبی ہو گیا

عزیز لکھنوی

۴۷۔ تتلیاں

پر پھول کے تتلیوں کی پرواز / پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز
اِس پھول سے اُڑ کے اُس پہ بیٹھیں / رس لے کے اُڑیں وہ جس پہ بیٹھیں
نازک نازک وہ خوشنما پر / اُڑتی ہوئی پتّیاں ہوا پر
وہ نقش و نگار اور بوٹے / پر اُن کے چھوؤ تو رنگ چھوٹے
رنگ اُن میں بہت ملے ہوئے ہیں / پر کیا ہیں چمن کھلے ہوئے ہیں
ہیں رنگ کئی ہر ایک پر پر / چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پر
ہر خال ہے پر پہ اک نگینہ / سونے چاندی پہ یا ہے مینا
قدرت دیکھو کہ کل چمن میں / گلدستے ہیں تتلیوں کے تن میں
جو نقش و نگار سے ہے خالی / وہ بھی دل کی لُبھانے والی
ہے رنگ کسی کا زرد گہرا / اتنا گہرا کہ بس سنہرا
کوئی جس کے سپید ہیں پر / جیسے چاندی کے صاف پتّر
طاؤسی، صندلی، گلابی / دھانی، کاہی، سیاہ آبی
نیلے، اودے، زمردی لال / ہر رنگ کے پر ہیں بے خط و خال

پرواز بھی حسن ہے پھبن بھی
رنگت بھی ہے حسن سادہ پن بھی

شوق قدوائی

۷۵۔ تتلی

تتلی ہے چمن میں اک رنگیلی — پیاری چنچل نئی نویلی
چلتے پھرتے چمن میں ہر سو — اُڑتی ہوئی پہونچی تا لبِ جو
چپہ چپہ چمن کا پامال — مانند شرار و برق تمثال
منظورِ نظر کلی کلی ہے — ہر ایک روش پہ بے کلی ہے
سبزے پہ کبھی نہال پر ہے — گُل پر کبھی شاخ پر نظر ہے
غنچوں کی بنی کبھی تو دمساز — نکہت کی طرح کبھی ہے پرواز

قابو میں نہیں جو قلبِ مضطر
یک جا نہیں ہے قرار دم بھر

سفیر

۷۶ تیتریاں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں اِک آن میں سو طرف کو پھرتی دیکھیں
بھولی خوش رنگ چست نازک پیاری پہنے ہوئے فطرتی منقّش ساری
پُھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قایم وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قایم
گو تابع جوشش برق پروازی ہیں دونوں کے خطوط لیک متوازی ہیں
کیوں کر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے اللہ اللہ کیا ہنر مندی ہے
کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اِس سمت اگر خیال انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگِ عرفاں چڑھ جائے

اکبرؔ

۷۷۔ بلبلِ زمزمہ ساز

میں ہوں چہکنے والی بلبل ہی نام میرا پھولوں کو دیکھنا ہی گلشن میں کام میرا
چھوٹا سا ایک پنچھی ہوں دیکھنے میں لیکن رونق نہیں ہی کچھ بھی صحنِ چمن میں مجھ بن
ہوں شاخِ گل پہ اپنا میں آشیاں بناتی شام و سحر گلوں کو ہوں گیت میں سناتی
گل میرے زمزموں پر جب کان ہیں لگاتے سن سن کے میرا گانا پھولے نہیں سماتے

بخشی صدا سُریلی مجھکو مرے خدا نے
بھاتے ہیں آدمی کو دل سے مرے ترانے

محروم

۷۸۔ چڑیاں

چڑیوں کا ادھر اُدھر سے آنا چھوٹے چھوٹے پھلوں کو کھانا
کچھ سبز ہیں جن کے لال سر ہیں کچھ زرد۔ سُنہری جن کے پر ہیں
کچھ جن میں سپیدی اور سیاہی کچھ جن کے سروں پہ تاجِ شاہی
کچھ جن کے زمرّدی ہیں پوٹے نقطے پوٹوں پہ چھوٹے چھوٹے

پانی میں اِدھر اُدھر نہا کر — بیٹھیں شاخوں پہ پر پھُلا کر
مینا کہیں غل مچا رہی ہے — بلبل کہیں بیٹھی گا رہی ہے
طوطی پیارا زبان شیریں — لہجہ شیریں بیان شیریں
شاماں کی صدا ہے رُوح بے چین — چنڈول جو بولے دل بنے چین
ڈھیر کیا خوب نغمہ خواں ہے — بھنگراج ہزار داستاں ہے
رفتار تدرو بانکپن کی — تصویر کھنچی ہوئی پھبن کی

ہر شکل کے ساتھ جلوہ گر حسن
جو کچھ ہے وہ قصّۂ مختصر حسن

شوق قدوائی

۷۹- مور

طاؤس کا رقص میں وہ آنا — آواز سے کرتا بجانا
وہ تاج زمرّدی سروں پر — سونا سا چڑھا ہوا پروں پہ
دُم کا پھیلاؤ حسن کی شان — گردن کا تناؤ حسن کی شان
ہر پر میں اُداہٹ اور سیاہی — اس میں پھر رنگ سبز کا ہی

کیا لطف دکھا رہی ہے زردی کیا خوب ہے رنگ لاجوردی
زردی کی چمک سے بڑھ گئی شاں سبزی میں چمک سے پڑ گئی جاں
پکھراج اس میں زبرجد اس میں کندن کا جڑاؤ بے حد اس میں
چلنے پھرنے میں دُم پڑی ہے
رقصاں ہے تو پھیلی ہے کھڑی ہے

شوق قدوائی

۸۰ - مور

کیا مور ہے بنایا پروردگار تو نے بخشے ہیں اس کو کیا کیا نقش و نگار تو نے
گویا کہ بال و پر میں گلزار کھل رہا ہے جو بیل ہے نرالی بوٹا جو ہے نیا ہے
یہ پھول ہیں شگفتہ تن پر جو داغ سے ہیں چن کر یہاں لگائے قدرت نے باغ سے ہیں
یہ تاج اس کے سر پر کیا ہے یا الٰہی بخشی ہے تو نے اس کو گلشن کی بادشاہی
جھم جھم برس چکا ہو سبزہ پہ جب کہ پانی ہوتی ہے اس کے دل کو اُس وقت شادمانی
دل شاد ہو کے بولی تب اپنی بولتا ہے پر ناچنے کے خاطر اُس وقت کھولتا ہے
دُم کو چتور بنا کر ہے ناچتا خوشی سے ہے اپنے دوستوں کو دیتا صدا خوشی سے

جس وقت باری باری ہیں ناچنے پہ آتے
جنگل میں مل ملا کر منگل ہیں پھر مناتے

محروم

۸۱۔ کبوتر

تن تن کے تراز میں یہ چلنا — ٹھوکر کبھی کھا کے خود سنبھلنا
انداز سے پاؤں کو اُٹھانا — چلنے میں ادا سے تلملانا
مخمور حسین چلبلی آنکھ — پیاری پیاری وہ شربتی آنکھ
مہندی تری پاؤں میں لگی ہے — ہر ایک ادا میں دلبری ہے
صورت بھی عجب ہی بھولی بھالی — انداز نیا ادا نرالی
گردن کو وہ ناز سے اُٹھانا — وہ دلکش و دل رُبا ترانا
آواز وہ خوشگوار تیری — گردن وہ صراحی دار تیری
چھوٹی سی سفید و سُرخ منقار — آجاتا ہے دیکھکر جسے پیار
وہ جسم میں خوشگوار گرمی — وہ حُسن وہ نازکی وہ نرمی
بچوں کا وہ پیار سے کھلانا — چلنا پھرنا انھیں سکھانا

وہ شفقتِ فطرتی کا اظہار منقار میں ڈالنی وہ منقار
بازو کی بیان کیا ہو طاقت عاشق کی بندھی ہو جس سے قسمت
آنوں ہیں تری جبیں کا بوسہ قاصد ہی تو یار مہ جبیں کا
کیوں کر نہ تری ہو دل میں توقیر ہی ذات تری وفا کی تصویر
دل میں ترے نورِ حق سمایا دشمن سے رسول کو بچایا
کعبہ کا طواف تجھکو حاصل ہی حق کی طرف تو صاف مائل

پایا ہی ضرور تو نے ایمان
لازم ہی کہوں تجھے مسلمان

محمد عبدالرشید بازید پوری

۸۲- قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہی عاشقِ حسنِ لایزالی ہے
کیا ہی نازوں سی اس کو پالا ہی قفسِ نقرئی میں ڈالا ہی
جب میں پنجری کے پاس جاتا ہوں پیار سے ہاتھ پر بٹھاتا ہوں
پیاری پیاری وہ نور کی گردن جس پہ قربان حور کی گردن

وہ گلا خوشنما صراحی دار — چاہتا ہوں کہ کروں بھینچ کے پیار

لال لال اس کی نرگسِ گلفام — یا بھرا ہے شرابِ سرخ کا جام

اس پہ طرہ ہے سرخیِ منقار — گل سمجھ کے نہ کرلے بلبل پیار

رنگِ منقار ارغواں یکسر — یا دھڑی پان کی ہے ہونٹوں پر

یا کوئی ناخنِ حنائی ہے — ہائے کیا سرخ چونچ پائی ہے

کبھی سرکش گلِ چمن کی طرح — سرنگوں ہے کبھی دلہن کی طرح

زیب و زینت سے اس کو ان بن ہے — سادگی میں ہزار جوبن ہے

جسم نقرہ صفت تمام سپید — صاف براق رنگ قابلِ دید

ہے صدا اس کی مونسِ دلِ زار — ہے تصدق ہزار صوتِ ہزار

ہائے وہ اس کی مست کن آواز — گویا بابِ سماع ہوگیا باز

گیت توحید کا سناتی ہے — راہِ حق کی طرف بلاتی ہے

بس ہے حق سرّہٗ سے کام اسے — وردِ اللہ کا ہے نام اسے

ضربِ نامِ خدا لگاتی ہے — دل تو ننھا سا اور یہ چھاتی ہے

شور کرتی ہے غل مچاتی ہے — چپ کبھی تھک کے بیٹھ جاتی ہے

مضطرب ہوکے پھر پکارتی ہے — چونچ کھٹ کھٹ زمیں پہ مارتی ہے

نعرۂ ھُو سے دل ہلاتی ہے
کہہ کے حق سِرّہٗ جگاتی ہے

امجد

۱۰۴۳- ابابیل

جان ہی ننھی سی تو ننھی تری آواز ہے — ننھے ننھے بال و پر ننھا ترا انداز ہے
آنکھ میں تیری لگا ہے سُرمۂ دُنبالہ دار — زلف ہے مشکیں تری کالی تری پشواز ہے
سقفِ دیرینہ میں ننھا سا نشیمن ہے ترا — گو فلک تک صبحدم تو مائلِ پرواز ہے
قوم کو تیری نہیں ہے مال و دولت کی ہوس — ہر کس و ناکس تمہارا خانہ برانداز ہے
آبِ دریا سے بھلا بجھتی نہیں کیا تیری پیاس — ابرِ نیساں کے مقابل تو بھی رو انداز ہے
بازوؤں کو تیرے دم بھر بھی نہیں ملتا سکوں — برق ہے اس میں بھری یا اور کوئی راز ہے
ہے تڑپ تجھ میں بلا کی ہو بہو سیماب ہے — نگہ افسوں ساز سے ملتا ترا انداز ہے

تیری حالت میں کبھی دیکھا نہیں دنیا نے فرق
تیرا یکساں کہتے ہیں انجام اور آغاز ہے

سیّد نوراللہ شاہ

۴۴۔ چڑیا کے بچّے

دو تین چھوٹے بچّے چڑیا کے گھونسلے میں — چُپ چاپ لگ رہے ہیں سینہ سے اپنی ماں کے
چڑیا نے مامتا سے پھیلا کے دونوں بازو — اپنے پروں کے اندر بچّوں کو ڈھک لیا ہے
اس طرح روز مرّہ کرتی ہے ماں حفاظت — سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم ان کو
لیکن چڑا گیا ہے چُگّا تلاش کرنے — دانہ کہیں کہیں سے پوٹے میں اپنے بھر کر
جب لائیگا تو بچّے منہ کھولدیں گے جھٹ پٹ — ان کو بھرائیگا وہ ماں اور باپ دونوں
بچّوں کی پرورش میں مصروف ہیں برابر — اور چھوٹے بچّے خوش ہیں تکلیف کچھ نہیں ہے
اے چھوٹے چھوٹے بچّو تم اُونچے گھونسلے سے — ہرگز نہیں گروگے۔ پر اور پرندے اب تک
نکلے نہیں تمہارے اس واسطے ابھی تم — اُونچے نہ اُڑ سکوگے۔ ہاں جب تمہارے بازو
اور پر درست ہوں گے۔ تو دن کی روشنی میں — سیکھوگے تم بھی اُڑنا کرتے پھروگے چیں چیں

اُڑتے پھروگے پھر پھر اے چھوٹے بچّو لیکن
کوّا بُری بلا ہے اس سے خدا بچائے

اسمٰعیل

۸۵- کوّا

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے — چونچ بھی کالی پر بھی کالے
کالی کالی وردی سب کی — اچھی خاصی اُن کے ڈھب کی
کالی سینا کے ہیں سپاہی — ایک سی صورت ایک سیاہی
لیکن ہے آواز بُری سی — کان میں جا لگتی ہے چھُری سی
یوں تو ہے کوّا حرص کا بندہ — کچھ نہ چھوڑے پاک نہ گندہ
اچھی ہی پر اس کی یہ عادت — بھائیوں کی کرتا ہے دعوت
کوئی ذرا سی چیز جو پالے — کھائے نہ جب تک سب کو بُلالے
کھانے دانے پر ہے گرتا — پیٹ کے کارن گھر گھر پھرتا
دیکھ لو وہ دیوار پہ بیٹھا — غلّہ کی ہے مار پہ بیٹھا
کیوں کر باندھوں اس پہ نشانہ — بے صبرا چوکنّا سیانہ
کائیں کائیں پنکھ پسارے — کرتا ہے یہ بھوک کے مارے
تاک رہا ہے کونا کھُترا — کچھ دیکھا تو نیچے اُترا
اِس کونس آتا ہے اُچھلتا — جانے کیا دو پاؤں سے چلتا
اُچھلا، کودا، لپکا، سرکا — ہاتھ میں تھا بچّے کے ٹکڑا

آنکھ بچا کر جھٹ لے بھاگا — واہ رے تیری پھُرتی کاگا
ہا ہا کرتے رہ گئے گھر کے — یہ جا وہ جا چونچ میں بھر کے
پیڑ پہ تھا چڑیا کا بسیرا — اس کو ظالم نے جا گھیرا
ہاتھ لگا چھوٹا سا بچّہ — تو جا پھاڑا کھا گیا کچّا
چڑیا رو رو جان ہی کھوتی — ہے ظالم کی جان کو روتی
چیں چیں چیں چیں دی کے دُہائی — اپنی بپتا سب کو سُنائی
کون ہے جو فریاد کو پہنچے — بیچاری کی داد کو پہنچے
پکنے پر جب مکّا آئی — کوّوں نے جا لوٹ مچائی
دو دھیا بھُٹّا چونچ سے چیرا — پچ پچ کا ہے اُٹھائی گیرا
رکھوالے نے پائی آہٹ — گوپھن لے کر اُٹھا جھٹ پٹ
ہریا ہریا شور مچا کر — ڈھیلا مارا تڑسے گھما کر
سُن کے تڑاقا کوا بھاگا — تھوڑی دیر میں پھر جا لاگا
لالچ خورا ڈھیٹ نڈر ہے — ڈاکو سے کچھ اس میں کسر ہے

ڈاکو ہے یا چور اُچکّا
پر ہے اپنی دُھن کا پکّا

اسمٰعیل



مناظرِ قدرت

جلد اوّل

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:۔ ذیل میں شعراء کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہوجائیں گے

۱۔ آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات ۱۲۶۳ھ مدفن لکھنؤ

ضمیمہ جلد اوّل ۲۔ آزاد سید محمد حسین صاحب مرحوم صفحہ

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

۳۔ اسمٰعیل:- مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

ضمیمہ جلدِ اوّل

ضمیمہ جلد اوّل ۴۔ اقبال — ڈاکٹر شیخ محمد اقبال — صفحہ

ولادت ۱۸۷۶ء وطن سیالکوٹ

۵۔ اکبر — سید اکبر حسین صاحب

ولادت ۱۸۴۶ء وطن الٰہ آباد

۶۔ امجد — سید امجد حسین صاحب

ولادت وطن حیدرآباد دکن

۷۔ امیر — منشی امیر احمد مینائی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۳۱۸ھ مدفن حیدرآباد دکن

ضمیمہ جلد اوّل — صفحہ

ضمیمہ جلد اوّل ۲۸۔ محروم منشی تلوک چند صاحب صفحہ

ولادت ۱۸۸۵ء وطن عیسیٰ خیل (پنجاب)

۲۹۔ محسن مولوی محمد محسن صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۲ھ وطن کاکوری وفات ۱۹۰۵ء مدفن مین پوری

۳۰۔ محمد عبد الرشید صاحب بازید پوری

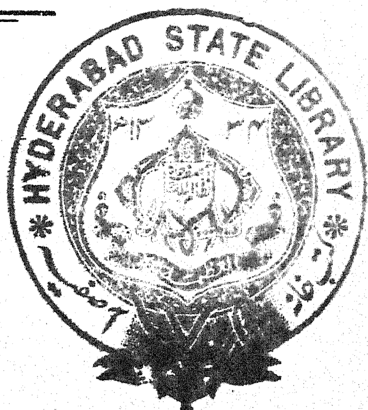
ولادت وطن

۳۱۔ مرزا شوق نواب مرزا شوق صاحب مرحوم

ولادت وطن وفات مدفن

۲۶-واسطی سید علمدار حسین صاحب

ولادت وطن وفات مدفن



پروفیسر محمد الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کی اُردو تصنیفات

سلسلۂ منتخبات نظمِ اُردو

مروّجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہی کہ اُردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن وعشق اور گل وبلبل کی داستان ہی۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہی کہ اُردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہی۔ اگر جدید تعلیم یافتہ اصحاب اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ کریں تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دُھنتے ہیں ان کی ہم پلّہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح ہوتی ہے۔ اُمید ہی کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ اصحاب کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبت پیدا ہوگی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دَور

شروع ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

اُردو کی منتخب نظموں کو مضمون وار حسب ذیل ترتیب دیکر خوشنما جلدوں میں شائع کیا ہے:۔

(۱) معارفِ ملت:۔ حمد۔ نعت۔ مناجات اور اخلاقی قومی نظموں کا گلدستہ تین جلدوں میں قیمت فی جلد عہ (سکۂ انگریزی) اور ۱۲؍ (سکۂ عثمانی)

(۲) جذباتِ فطرت:۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالب ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

تین جلدوں میں۔ قیمت بشرح صدر

(۳) مناظرِ قدرت:۔ اوقات۔ مقامات۔ مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقعہ۔ تین جلدوں میں۔ قیمت بشرح صدر

یہ کتابیں ہندوستان کے اکثر صوبوں کے مدارس میں باضابطہ منظور ہوچکی ہیں اور عام طور پر بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہیں۔

کم از کم سو جلد کے خریدار کو ۲۵ فیصدی کمیشن

معاشیات

---

(۱) علم المعیشت۔ اکنامکس (Economics) پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اُصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اُردو میں سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو دوسرا ایڈیشن حال ہی میں شایع ہوا ہے۔ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ صہ ر

(۲) معیشت الہند۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اُصول و مسائل بیان ہوئے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہے یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۹۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوگی۔ تیار ہو رہی ہے۔

(۳) مالیات۔ پبلک فنانس (Public Finance) پر اُردو زبان میں یہی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدین ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہے۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیونکر عملدرآمد ہوتا ہے یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے۔ ضخامت تخمیناً ۶۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمۃ المعاشیات** - مور لینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول ومسائل بیان کئے گئے ہیں - یہ کتاب جامعۂ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۵۴۰ صفحہ - مجلد - منجانب جامعۂ عثمانیہ شائع ہوئی ہے -

(۵) **معاشیات ہند** - مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں - یہ کتاب جامعۂ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعۂ عثمانیہ شائع ہوئی ہے -

(۶) **برطانوی حکومتِ ہند** - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے - یہ کتاب بھی جامعۂ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے - ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد - منجانب جامعۂ عثمانیہ شائع ہوئی ہے -

"سلسلۂ دعوتِ صداقت"

اسرارِ حق

مؤلفہ

محمد الیاس برنی۔ ام اے۔ ال ال بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صدیقین و اکابرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب۔ اور ان کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لبِ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہی۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن توحید اور اُس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب۔ کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ۔ ایک ایک نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہی اور کچھ اندازہ ہوتا ہی کہ والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون ۝ لهم ما يشاؤن عند ربهم ذالك جزاؤ المحسنين ۝

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سی تعبیر فرماتا ہی اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں اُن کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہی۔ قابل دید ہی حجم تقریباً ۸۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (سے ر) علاوہ محصول

ملنے کا پتہ:- محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

"سلسلۂ دعوتِ صِدق"

اسرارِ حق

مؤلفہ

محمد الیاس برنی۔ ایم اے۔ ایل ایل بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صدیقین و اکابرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب۔ اور ان کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لبِ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن توحید اور اُس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب۔ کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ۔ ایک ایک نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون ۝ لھم ما یشاؤن عند ربھم ذالک جزاؤ المحسنین ۝

جن علوم کو اللہ جلِ شانہ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں اُن کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ قابل دید ہے حجم تقریباً ۴۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (سے ر) علاوہ محصول

ملنے کا پتہ:۔ محمد مقتدی خاں شروانی علی گڑھ